مولانا اسحاق سندیلوی کی حیات اورافکار پر ایک نظر

از قلم مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ
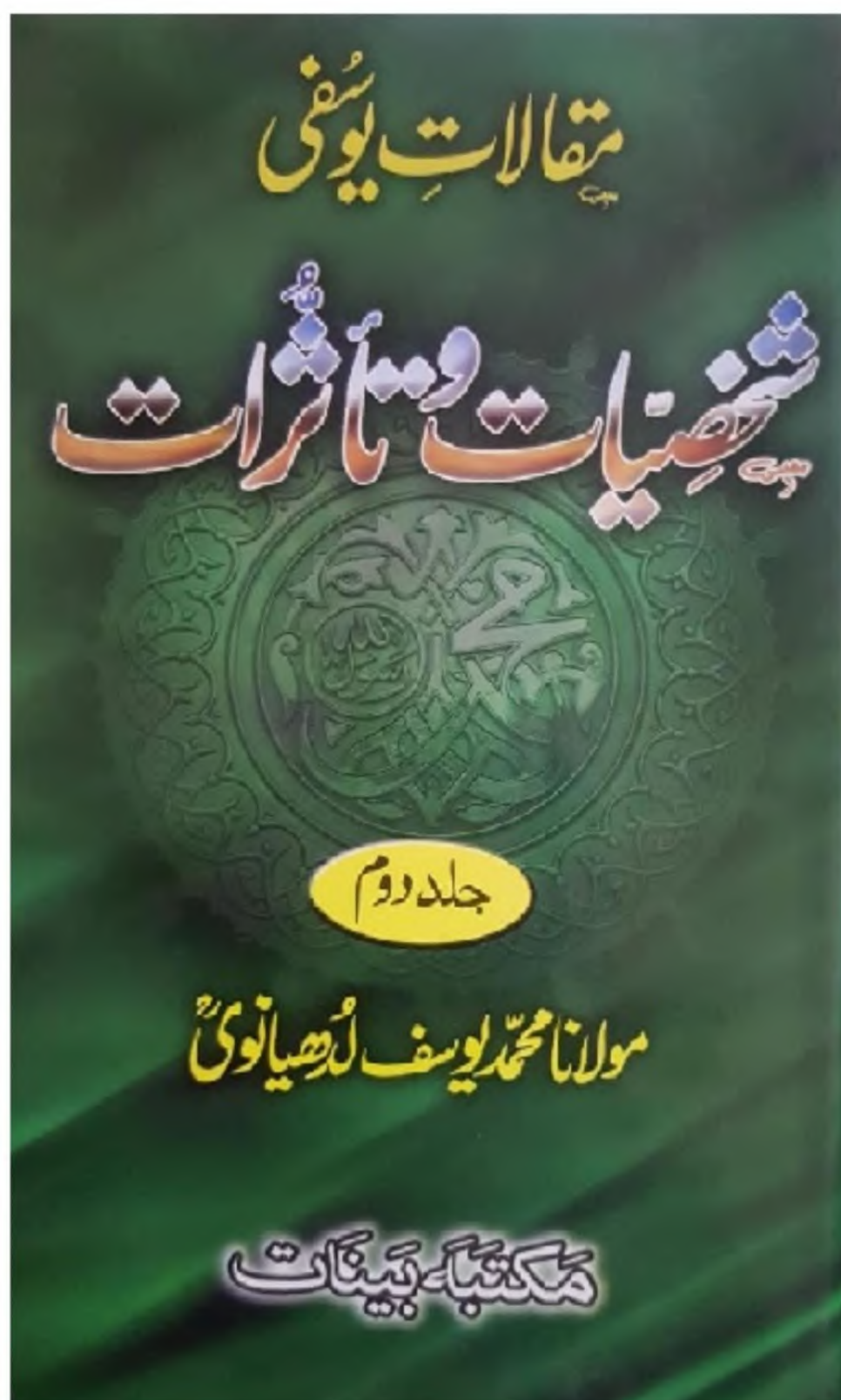
حضرت مولانا

محمد اسحاق صدیقی سندیلویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

بتاریخ ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ - ۲۳/ اکتوبر ۱۹۹۵ء شب دوشنبہ کو دو بجے حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی ۸۵ برس کی عمر میں رحلت فرماگئے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مرحوم ۱۲/ فروری ۱۹۱۳ء مطابق ۵/ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ کو بروز چہار شنبہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے، دینی تعلیم مدرسہ لکھنؤ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حاصل کی، فقہ وحدیث اور درس نظامی کی تکمیل کے بعد "مولوی فاضل" اور قرأت کی سندات بھی دارالعلوم ہی سے حاصل کیں، پھر منبع الطب کالج لکھنؤ میں طب کا نصاب مکمل کیا، اور کانپور میں مطب جاری کیا۔ ۱۹۳۹ء میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی دعوت پر ندوۃ العلماء لکھنؤ کیلئے تدریسی خدمات وقف کردیں، اور زندگی کا طویل دورانیہ دارالعلوم کے ساتھ وابستگی میں گزارا، وہاں کے شیخ الحدیث اور مہتمم بھی رہے، اسی دوران حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی فرمائش پر "اسلام کا سیاسی نظام" لکھی، یہ گویا آئین پاکستان کا پہلا خاکہ تھا۔ یہ کتاب

حضرت سید صاحبؒ کے ادارہ "دارالمصنفین اعظم گڑھ" سے شائع ہوئی اور پاکستان میں سندھ اکیڈمی نے اسے شائع کیا۔

سنہ ۱۳۹۰ھ کے اواخر اور ۱۹۷۱ء کے اوائل میں حضرت اقدس محدث العصر سیدی وشیخی الشیخ العلامہ شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے، حضرت نے جامعہ علوم اسلامیہ کے شعبہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد کی نگرانی پر حضرت مرحوم کو مقرر فرمایا' اور ایک عرصہ تک اس شعبہ کے مشرف رہے، اور اس شعبہ کے طلبہ کو "حجۃ اللہ البالغۃ "(امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سبقاً پڑھائی۔ اور ایک عرصہ تک جامعہ کے شعبہ دارالتصنیف "مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی" کے رفیق رہے، اور متعدد کتابیں ان کے قلم سے نکلیں، اظہار حقیقت، تنویر العینین فی تفسیر المعوذتین' دینی نفسیات' ایمان وایمانیات' نورحیات وغیرہ۔ علاوہ ازیں ان کے متعدد مضامین ومقالات ماہنامہ "بینات" کی زینت بنے۔

حضرت مولانا مرحوم اصلاح وارشاد کا تعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے رکھتے تھے، اور ہمارے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی قدس سرہ سے مجاز تھے۔ عجز وانکسار میں ممتاز تھے، مزاج میں تواضع اور مسکنت تھی۔ نماز میں ان کے خشوع کی کیفیت دیدنی ہوتی تھی، جو ہم خوردوں کے لئے لائق رشک بھی تھی اور سبق آموز بھی، الغرض حال و قال اور ظاہر وباطن کے جامع تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

مرحوم کا نشو ونما لکھنؤ کی فضا میں ہوا تھا، ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت امام

اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے مدرسہ میں ہوئی تھی اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی محبت و عظمت ان کی روح و قلب میں پیوستہ تھی، پھر ان کی عمر عزیز کا قیمتی حصہ بھی لکھنؤ کے اسی ماحول میں گزرا تھا اور انھوں نے مدح صحابہؓ میں لوگوں کی چیرہ دستیوں اور تحریک مدح صحابہؓ کی جولانیوں کو بچشم خود دیکھا تھا، اس لئے دشمنان صحابہؓ کے لئے ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہ تھا۔ ادھر محمود احمد عباسی کی تحریک ناصبیت بھی بظاہر حمایت صحابہؓ کے پردے میں اٹھائی گئی تھی، جس نے ہمارے دینی مدارس کے بہت سے فضلأ کو متاثر کیا' اور بہت سے نوجوان علمأ نے رافضیت کے رد عمل میں محمود احمد عباسی کے افکار کی آبیاری شروع کردی اور اسی کو مسلک اہل سنت کی خدمت تصور کیا' ان حضرات نے مولانا مرحوم کی شخصیت سے فائدہ اٹھایا' مرحوم کو "امام اہل سنت" کا خطاب دے کر ان کا قرب حاصل کیا اور مرحوم سے اپنی کتابوں پر تقریظیں لکھوانی شروع کردیں' اس طرح مولانا مرحوم کو اس تحریک ناصبیت کے قائد کی حیثیت سے پیش کیا۔

حضرت مرحوم کا ناصبیت کی طرف انتساب ہم خدام کیلئے موجب تشویش تھا' ادھر ان کا مدرسہ سے تعلق اس تشویش میں مزید اضافے کا موجب تھا' ہم خدام نے کوشش کی کہ مرحوم کا "ناصبی تحریک" کے نمایاں لوگوں سے تعلق ختم ہوجائے اور وہ ان کے غلط سلط رسائل وکتب پر تصدیق و تقریظ ثبت نہ فرمایا کریں' مگر افسوس کہ یہ کوشش "سعی لاحاصل" رہی۔ دریں اثنا ۱۹۸۳ء (۱۴۰۳ھ) میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین، چکوال، نے ۶۱۲ صفحے کی ایک

ضخیم کتاب :

"مولانا محمد اسحاق سندیلوی۔ کراچی کا مسلک اور خارجی فتنہ حصہ اول"

کے نام سے تحریر فرمائی، جس میں پوری صراحت ووضاحت کے ساتھ دلائل واقتباسات کی روشنی میں مولانا مرحوم کو اس ناصبی تحریک کا قائد ثابت کیا گیا۔ یہ کتاب راقم الحروف کو تبصرہ کے لئے بھیجی گئی، راقم الحروف نے ماہنامہ "بینات" کے انیس صفحات میں اس کتاب کی تلخیص قارئین کے سامنے پیش کر کے اس پر اپنی جانب سے چار صفحے کا تبصرہ کیا، نامناسب نہ ہوگا اگر تبصرہ کا یہ حصہ یہاں دوبارہ نقل کر دیا جائے تاکہ اس کا مالہ وماعلیہ قارئین کے سامنے آجائے :

> "مندرجہ بالا اقتباسات سے جناب مصنف کے مباحث کا خلاصہ اور ان کی تنقیدات کا نمونہ قارئین کے سامنے ہے۔
>
> بنیادی طور پر دو مسئلے مصنف کا اصل ہدف ہیں :
>
> ایک یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے، ان کی خلافت قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہے۔ اور اس کا انکار یا اس کی تنقیص خلافت راشدہ کا انکار یا اس کی تنقیص ہے۔
>
> دوم : یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں جو مشاجرات ومحاربات رونما ہوئے ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق

بجانب تھے' جو حضرات ان کے خلاف صف آرا ہوئے وہ خطا پر تھے' مگر یہ سب حضرات نیک نیت تھے' انہوں نے جو کچھ کیا اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق رضائے الٰہی کے لئے کیا۔ اس اس لئے وہ اپنی تمام اجتہادی خطا پر بھی عند اللہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں' ان پر طعن و تشنیع روا نہیں۔

بلاشبہ ان دونوں مسئلوں میں جناب مصنف نے اہل حق کے مسلک کی ٹھیک ترجمانی کی ہے۔ اہل حق پر جس طرح روافض کی تردید لازم ہے اسی طرح خوارج ونواصب کی تردید بھی ان پر لازم ہے۔ اور جس طرح خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے دفاع کرنا ضروری ہے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے مدافعت کرنا بھی اہل حق کا فریضہ ہے۔ جناب مصنف کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اہل حق کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیا ہے۔

جو لوگ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ناروا حملے کرتے ہیں اور آپ کی توہین و تنقیص کے درپے رہتے ہیں وہ درحقیقت ان خوارج کے جانشین ہیں جن کے بارے میں لسان نبوت ﷺ سے: "یمرقون من الدین مروق السھم من الرمیة" کی پیش گوئی کی گئی تھی۔ اور جن کے

بارے میں فرمایا گیا کہ :"لان ادرکتھم لاقتلنھم قتل عاد"
یہ خارجیت دراصل رافضیت وسبائیت ہی کی ایک شاخ ہے
جس کا مقصد اکابر امت کے خلاف زہر اگلنا ہے۔ مگر ہمارے
دور میں یہ ٹولہ تردید سبائیت کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آتا ہے
اس لئے بہت سے نوجوان بھی ان سے متاثر ہو جاتے ہیں'
اور ان کی ہفوات کو صحیح سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں' اس لئے
شدید ضرورت تھی کہ ان مسائل میں اہل حق کے عقیدہ کی
وضاحت کر دی جاتی۔ جناب مصنف صحیح فرماتے ہیں کہ :

"عباسیت ویزیدیت کے اثرات دیوبندی حلقوں میں
سرایت کر رہے ہیں' بہت کم علما رہ گئے ہیں جن کا مقصد
تحفظ مسلک ہے۔ دینی مدارس میں بھی عقیدہ خلافت راشدہ
زیر بحث نہیں آتا۔ اکابر محققین کی تحقیق پر اعتماد نہیں رہا، اور
ہمارے مدارس کے بعض طلبہ اہل زیغ والحاد کے لٹریچر سے
متاثر ہو جاتے ہیں"۔ (ص ۲۰۸)

جناب مصنف مدفیضہم کے مقصد سے اتفاق اور زیر بحث
مسائل میں ان کے موقف کی مکمل تائید کے باوجود ہمیں ان
کے انداز بیان سے اختلاف رہا ہے۔ ہمارے نزدیک اس فتنہ
کی اصلاح و تدارک کی صحیح صورت یہ تھی کہ خوارج و نواصب
نے جو شبہات پھیلا رکھے ہیں اور جن کا وہ ہر تقریر و تحریر میں

آموختہ دہراتے رہتے ہیں، کسی خاص فرد کو نشانہ بنائے بغیر ان کا جواب دیا جاتا اور ان مسائل میں مثبت انداز میں اہل حق کا مسلک پیش کر دیا جاتا۔ اس صورت میں کتاب زیادہ ضخیم بھی نہ ہوتی اور مناظرانہ رد وکد اور غیر ضروری بحث سے بھی کتاب پاک ہوتی۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی اپنے لئے "زاد سقر" تیار کرنا چاہتا تو ہماری بلا سے۔ لیهلك من هلك عن بينة ويحيىٰ من حي عن بينة۔"

اور اگر جناب مصنف کی نظر میں مولانا محمد اسحاق صدیقی کی کچھ تحریریں یا ان کے افکار و نظریات مسلک اہل حق کے خلاف ہیں اور ان کی اصلاح ضروری ہے تو اس کی بہترین صورت یہ تھی کہ مولانا کو ذاتی طور پر ان کی توجہ دلائی جاتی اور ان سے التماس کی جاتی کہ وہ ان کی اصلاح فرمائیں، مولانا محمد اسحاق صاحب حضرت تھانوی قدس سرہ کے سلسلہ کے شیخ طریقت ہیں اور حضرت تھانویؒ کا اسوۂ حسنہ ان کے سامنے ہے کہ حضرتؒ نے اپنی غلطیوں کی اصلاح کیلئے "ترجیح الراجح" کے عنوان سے ایک مستقل سلسلہ شروع کر رکھا تھا، اور اہل علم میں سے کوئی شخص حضرتؒ کی کسی فروگزاشت یا تسامح پر مطلع کرتا تو اپنی غلطی سمجھ میں آجانے کے بعد حضرتؒ اس سے رجوع کا اعلان فرما دیتے تھے۔

حضرت تھانویؒ کے خلیفہ رشید حضرت علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ کے بارے میں میں نے حضرت اقدس بنوری رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ حضرت سید صاحبؒ آخری زمانے میں فرماتے تھے (جس کا مفہوم یہ تھا) کہ میرے پہلے زمانے کی تصانیف میں کچھ تسامحات اور غلطیاں رہ گئی ہیں۔ افسوس کہ میں نظر ثانی نہیں کر سکتا۔ کاش آپ (حضرت بنوریؒ) جیسے دوچار محقق علماٗ میری کتابیں پڑھ کر میری غلطیوں کی نشاندہی کر دیتے تو میں ان سے رجوع کا اعلان کر دیتا اور ان کی اصلاح کر لیتا۔

حضرت مولانا اسحٰق صاحب کے تدین و تقویٰ کے پیش نظر ان سے یہی توقع تھی کہ اگر حق پرست اہل علم ان کو ان کے تسامحات اور فرو گزاشتوں کی طرف توجہ دلاتے تو وہ اپنے شیخ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اسوۂ حسنہ کو پھر سے تازہ کرتے، اور اپنی عبارتوں کی مناسب اصلاح فرما دیتے۔

اہل علم کا دوسرے اہل علم پر رد کرنا یا ان کے نظریات پر تعاقب کرنا کوئی نئی بات نہیں۔ امام مالکؒ کے بقول "کل منا راد ومردود علیه الا صاحب هذا القبر صلی الله علیه وسلم"

ہم حضرات صوفیاٗ کے شطحیات اور اہل علم کے تفردات

وشطحیات کو لائق اقتدا نہیں سمجھتے۔ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب زید مجدھم کے بعض تفردات سے ہمیں بھی اختلاف ہے، اور ان کی جن عبارتوں کی حضرت قاضی صاحب نے نشاندہی کی ہے انہیں لائق اصلاح سمجھتے ہیں، لیکن ان کے علم وفضل، زہد وتقویٰ اور شرف وعظمت کے بارے میں ہمارے دل میں کبھی وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا۔

حضرت قاضی صاحب تو ان کی برابر کی سطح کے بزرگ ہیں، وہ ان پر تنقید کرنے کا حق رکھتے ہیں مگر راقم الحروف جیسے لوگ ان کی خاک پا کو بھی نہیں پہنچتے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہم جن اکابر کے حوالے سے بات کہتے ہیں خود مولانا کو بھی اعتراف ہوگا کہ وہ اپنے علم وفضل کی بلندیوں کے باوصف ان اکابر کی گرد پا کے برابر بھی نہیں۔ ان اکابر کے مسلک سے ہٹ کر خودروی وخودرائی اختیار کرنے سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور مدت العمر اپنے اکابر اور جمہور اہل سنت کے نقش قدم پر جینے اور اسی پر مرنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ کسی نئے نظریہ کی اختراع یا شاذ اقوال کی اتباع کبھی امت کے حق میں خیر وبرکت کی موجب نہیں ہوئی۔ ان چیزوں سے ہر مؤمن کو اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

قاضی صاحب نے مولانا پر جو تنقیدات کی ہیں اگرچہ

ان کا لب ولہجہ بہت ہی تیز و تند ہے لیکن مولانا کی عظمت وبلندی اور ان کے بے نفسی وللٰھیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس "داروئے تلخ" کو نسخہ شفا سمجھتے ہوئے نوش کریں گے:

"شفابایدت داروئے تلخ نوش کن"

"اظہار حقیقت" میں مولانا محترم نے کیسی عمدہ بات فرمائی ہے:

"الحمد للہ کہ ان سطور کا راقم زمرہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہے۔ اسی پر جینا اور اسی پر مرنا اس کی سب سے بڑی خواہش ہے اور اسی پر استقامت کو اپنے لئے وسیلہ نجات سمجھتا ہے۔ اس لئے اس کا پختہ عقیدہ ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کی خلافت صحیح خلافت تھی، اور بے شک وہ خلیفہ بر حق ہیں، یہ بھی میرا عقیدہ ہے کہ مربی اعظم خاتم النبیین ﷺ کے فیض تربیت نے ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے قلب کو حب دنیا کے ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ سے بھی پاک کر دیا تھا۔ چہ جائیکہ حضرت علی المرتضیٰؓ جن کا شمار اکابر صحابہ میں سے ہے اور وہ اس گروہ کی افضل ترین جماعت میں شامل ہیں۔"

(جلد دوم ص ۱۸)

ظاہر ہے کہ جب حضرت محترم مسلک اہل حق پر جینے اور مرنے کا عہد کرتے ہیں تو اگر ان کی کوئی عبارت ان کے

عہد کے خلاف ہو تو اس کی اصلاح ناگزیر ہوگی۔ نیز جس طرح ان کا قلم روافض (خذلہم اللہ) کے خلاف شمشیر براں ہے اسی طرح نواصب وخوارج (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا یا تو انکار کرتے ہیں' یا اس کی توہین و تنقیص اور بے وقعتی کرتے ہیں) کے خلاف بھی اسی شدت و قوت سے چلنا چاہئے۔ اہل سنت کو جس طرح روافض سے نفرت ہے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کی تنقیص کرنے والے "مارقین" سے بھی نفرت ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت قاضی صاحب کے پیش کردہ اہل حق کے موقف ومسلک سے ہمیں نہ صرف اتفاق ہے بلکہ یہی ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے۔ اور خود حضرت مولانا محمد اسحاق مرحوم نے بھی منقولہ بالا اقتباس میں اسی کو اپنا عقیدہ وایمان بتایا ہے۔ لیکن مصنف موصوف نے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کے خلاف جس درشتی و تندی کا اظہار کیا ہے ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے۔

اب اگر مولانا محترم اس شدت سے قطع نظر کرکے اصلاح طلب امور کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائیں تو یہ ان کی للٰہیت و بے نفسی کا کمال ہوگا' اور اگر وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہیں تو قلم ان کے ہاتھ میں بھی ہے' جس

کا نتیجہ یہ ہوگا سبائیت وخارجیت کے طفیل میں اہل سنت کے
دو بڑے بزرگوں کے درمیان ایک اور "جنگ صفین" برپا
ہوگی، دشمنان صحابہؓ (خواہ وہ رافضی ہوں یا خارجی وناصبی)
خوش ہوں گے اور ان بزرگوں کے نیاز مند غنی کا یہ شعر پڑھ
کر ماتم کریں گے :

"غنی روز سیاہ ماہ کنعان را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخارا"۔

(ماہنامہ "بینات" کراچی۔ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ مطابق جنوری ۱۹۸۴ء)

اس تبصرے سے مدعا یہ تھا کہ مولانا مرحوم کو قاضی صاحب کے اقتباسات، اور ان پر اس ناکارہ کا متوازن تبصرہ پڑھ کر اصلاح احوال کی طرف توجہ ہوگی، وہ نہ صرف یہ کہ خارجیت وناصبیت کا پرچار کرنے والے افراد کی سرپرستی سے احتراز فرمائیں گے بلکہ خود ان کی اپنی تحریروں میں جو الفاظ اصلاح طلب ہوں گے ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں گے، لیکن :

"اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

مولانا مرحوم نے ہماری آرزو کے برعکس اس تبصرہ پر شدید رد عمل کا اظہار فرمایا اور جامعہ سے استعفیٰ دینے کا فیصلہ فرمالیا۔ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن مرحوم اور دیگر خدام نے ان سے درخواست کی کہ وہ استعفیٰ نہ دیں تو مرحوم نے دو شرطیں پیش فرمائیں، ایک یہ کہ تبصرہ نگار "بینات" کے صفحات میں اس پر معافی طلب کرے، دوم یہ کہ وہ اس کا جواب لکھیں گے اسے "بینات

"میں شائع کیا جائے۔

جناب مفتی احمد الرحمٰن مرحوم نے مولانا مرحوم کی ان دونوں شرطوں کا تذکرہ راقم الحروف سے کیا، میں نے عرض کیا کہ پہلی شرط تو سر آنکھوں پر! اس ناکارہ کے جن الفاظ پر حضرت مولانا کو اشکال واعتراض ہو ان کو نشان زد کر کے میرے پاس بھیج دیں، میں "بینات" کی اگلی اشاعت میں ان تمام الفاظ کو نقل کر کے لکھ دوں گا کہ:

> "تبصرہ کے ان الفاظ سے حضرت مولانا کو ناگواری ہوئی ہے، میں اپنے ان الفاظ کی کوئی توجیہ وتاویل نہیں کرنا چاہتا، بلکہ بذریعہ تحریر ہذا حضرت مولانا سے غیر مشروط معافی طلب کرتا ہوں"۔

جہاں تک ان کی دوسری شرط کا تعلق ہے کہ وہ قاضی صاحب کے مناقشات کا جواب تحریر فرمائیں گے "بینات" ان کے جواب کو شائع کرے آپ (مفتی احمد الرحمٰن مرحوم) حکم فرمائیں تو مجھے شائع کرنے سے کیا انکار ہو سکتا ہے؟ اس کیلئے احباب سے مشورہ کر لیا جائے، یہ ضرور ہے کہ اس کے بعد قاضی صاحب بھی "جواب الجواب" لکھیں گے، یوں ایک ناخوشگوار بحث چل نکلے گی، اور نتیجہ کچھ برآمد نہیں ہوگا۔ اگر حضرت مولانا کو قاضی صاحب کا جواب ہی لکھنا ہے تو انہی کی طرح اپنے جواب کو بھی کتابی شکل میں شائع کر سکتے ہیں۔

الغرض ہماری کوشش ناکام ہوئی، حضرت مولانا مرحوم نے اصلاح احوال کے بجائے مدرسہ سے تعلق ختم کرنے کو ترجیح دی۔ وکان امر اللہ قدرًا

مقدور؛ ان کے "ترک خدمت" کا ہم خدام کو تو افسوس ہوا لیکن جن لوگوں کے تعلق کی وجہ سے یہ افسوسناک سانحہ رونما ہوا ان کو اس سے خوشی ہوئی ہوگی کہ ان لوگوں کو اپنے افکار مولانا کی طرف منسوب کرنے سے اب کوئی مانع نہیں رہا تھا، چنانچہ بعد میں ایسے مناظر بھی آنکھوں کے سامنے آئے ہیں جن کا ذکر شاید حدیث نبویؐ:

"اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویھم" (مشکوۃ ص: ۱۴۷)

(اپنے گزشتگان کی خوبیاں ذکر کیا کرو، اور ان کی برائیوں سے زبان بند رکھو)

کے خلاف ہوگا۔ - - - - - - - - - - - -

گلشن اقبال نمبر ۱ میں ان کے بھائی صاحب کی رہائش ہے۔ مولانا مرحوم انہی کے یہاں رہائش پذیر تھے۔ اور تجرید و تفرید کے منازل طے کرتے ہوئے بالآخر بھائی صاحب کے مکان میں ۸۵ برس کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

محلے کی مسجد میں، جو مسجد قباء کے نام سے معروف ہے، ظہر کے بعد مولانا مرحوم کا جنازہ ہوا، ہم خدام کو بھی اس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، محترم مولانا محمد طاسین صاحب نے امامت کے فرائض انجام دیئے، اور فیڈرل بی ایریا غریب آباد سے ملحقہ قبرستان میں ان کی تدفین ہوئی۔ یوں زندگی کا تھکاماندہ مسافر اپنی آخری آرامگاہ تک پہنچا۔

حق تعالیٰ شانہ ہماری اور ان کی لغزشوں کو معاف فرمائیں، اور رحمت و رضوان اور مغفرت کا خصوصی معاملہ فرمائیں، آمین۔

(ماہنامہ بینات کراچی شعبان ۱۴۱۶ھ)

راقم الحروف نے حضرت مرحوم پر جب یہ شذرہ سپرد قلم کیا تو حضرتؒ کے برادر خورد جناب عبدالحق تمنا صاحب نے میری تحریر کے بعض مندرجات میں احتجاج واختلاف فرمایا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کا خط اور راقم الحروف کا جواب نقل کردیا جائے:

حضرت مرحوم کے برادر خورد کا مکتوب

بخدمت عالی جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب مدظلہ العالی

مکرمی ومحترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بینات کے جنوری ۱۹۹۶ء کے شمارے میں آپ کا مضمون "حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلویؒ" پڑھ کر دل پر ایسی چوٹ لگی کہ میں یہ خط لکھنے پر مجبور ہوگیا۔

میں مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی مرحوم کا سب سے چھوٹا بھائی ہوں اور یہ شرف مجھے حاصل ہوا کہ میری درخواست پر انہوں نے میرے ساتھ مستقل قیام کا فیصلہ کیا اور ۱۹۸۴ء سے لے کر اپنے آخری لمحات تک میری اور میرے بیوی بچوں کی سرپرستی فرمائی۔

قبل اس کے کہ میں آپ کے ان جملوں کا ذکر کروں جو تیر کی طرح میرے دل میں پیوست ہوگئے، محض ریکارڈ کی درستی کے لئے چند دوسری باتیں لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

بھائی صاحب مرحوم (مولانا محمد اسحاق ندوی صاحب

مرحوم) نے بیاسی ۸۲ سال اور تقریباً سات ماہ کی عمر پائی نہ کہ پچاسی سال کی جیساکہ آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

ابتدائی تعلیم کے لئے دو سال انہوں نے ندوۃ العلماء میں گزارے اور علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہونے کا شرف حاصل کیا لیکن فقہ، حدیث اور درس نظامیہ کی تکمیل مدرسہ الفرقانیہ (لکھنؤ) سے کی اور قرأت کی سندات بھی مدرسہ الفرقانیہ ہی سے حاصل کیں (مجھے مدرسہ ہی یاد پڑتا ہے ہو سکتا ہے جامعہ الفرقانیہ ہو)

میں تھوڑا بہت پڑھا لکھا ضرور ہوں لیکن نہ تاریخ کا طالب علم رہا ہوں' نہ عالم دین ہوں' اس لئے آپ کے مضمون کے اُس حصے پر تبصرہ کرنے کا اہل نہیں جس میں آپ نے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی اس کتاب کا حوالہ دیا ہے جس میں انہوں نے بھائی صاحب مرحوم کو ناصبی تحریک کا قائد کہا ہے۔ میں اس سلسلے میں وہی بات کہوں گا جو آپ نے کہی ہے یعنی "اہل علم کا دوسرے اہل علم پر رد کرنا یا ان کے نظریات پر تعاقب کرنا کوئی نئی بات نہیں" (پر کا استعمال غالباً کتابت کی غلطی ہے) ہاں ایک بات ضرور عرض کروں گا کہ میں نے متعدد بار بھائی صاحب مرحوم کی زبان سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ برحق ہونے کی

بات سنی تھی اور یہ بات انہوں نے دوسروں کی موجودگی میں کہی تھی۔

آپ کی ایک بات جو میری سمجھ میں نہیں آئی وہ یہ ہے کہ آپ نے گڑے مردے اکھاڑنے کی ضرورت کیوں محسوس کی، اور وہ وجوہات کیوں سپرد قلم کیں جن کی بنا پر بھائی صاحب مرحوم نے جامعہ سے استعفیٰ دینے کا فیصلہ کیا تھا اور خصوصیت سے اب جبکہ وہ آپ کی بیان کردہ وجوہات پر تبصرہ کرنے کے لئے اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔

اور اب میں آپ کے وہ الفاظ نقل کرتا ہوں جنہوں نے میرا دل چھلنی کر دیا اور میں آپ سے احتجاج کرنے پر مجبور ہوا۔ آپ نے لکھا ہے: "اس پر مستزاد یہ کہ اس پیرانہ سالی میں وہ کسمپرسی کے عالم میں گزر رہے تھے، اولاد تھی ہی نہیں، اہلیہ کا ساتھ تھا، اور وہ بھی چند سال پہلے داغ مفارقت دے چکی تھیں، ان صدمات نے ان کے ذہن کو کس قدر متاثر کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ دوسروں کو مشکل ہے اس لئے آخری دور حیات میں وہ واقعۃً معذور تھے" (زبان کی غلطیوں کو میں نظر انداز کرتا ہوں کہ نفسِ مضمون سے ان کا کوئی تعلق نہیں)

معذوری دو قسم کی ہو سکتی ہے اول جسمانی اور دوم

ذہنی۔ جہاں تک جسمانی معذوری کا تعلق ہے تو یہ حقیقت ہے کہ وہ مرنے سے چند ماہ قبل بہت کمزور ہو گئے تھے۔ لیکن اتنی طاقت تھی کہ مسجد میں نماز ادا کرنے جاتے تھے۔ ہاں انتقال سے چند دن قبل صرف دووقت کی نماز مسجد میں ادا کرتے تھے۔ لیکن آخری دن تک وہ حسب معمول کسی دوسرے کا سہارا لئے بغیر ناشتے اور کھانے کے لئے اوپری منزل سے نیچے آئے اور واپس اوپر گئے۔ جہاں تک ذہنی معذوری کا تعلق ہے آخری دن بھی انہوں نے فجر کی نماز ادا کی، قرآن مجید کی تلاوت کی اور اس کے بعد اپنی کتاب جو وہ لکھ رہے تھے لکھنے بیٹھ گئے اور تقریباً دو گھنٹے تک لکھتے رہے پھر کچھ حضرات ان سے ملنے آئے جن سے بامعنی اور باربط گفتگو کی اور کسی نے یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ ذہنی طور پر معذور ہیں۔ آخر وقت تک اُن کی تحریریں بامقصد، بامعنی اور باربط رہیں، میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ نے کس بنیاد پر ان کو ذہنی طور پر معذور قرار دیا اور وہ بھی ان کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد کہ اب وہ اپنے دفاع میں کچھ کہہ نہیں سکتے۔ آپ کا انداز ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی پاگل کی بات کا برا مانے تو لوگ اس سے کہیں "ارے بھائی! اس کی بات کو برا کیوں مانتے ہو یہ تو پاگل ہے" اور پھر آپ نے

معذور کے ساتھ "واقعۂ" کا لفظ استعمال کر کے اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی حالانکہ جہاں تک مجھے علم ہے آپ کی اور ان کی ملاقات کئی برس سے نہیں ہوئی تھی۔ سنی سنائی باتوں کو تحقیق کئے بغیر آگے بڑھا دینے والی حدیث آپ نے ضرور پڑھی ہوگی۔ اس کے علاوہ مشکوٰۃ کا حوالہ تو آپ نے اسی مضمون میں دیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

"اپنے گزشتگان کی خوبیاں ذکر کیا کرو، اور ان کی برائیوں سے زبان بند رکھو"

میں ان کے پاس اکثر بیٹھ جاتا تھا اور بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کا حافظہ آخر وقت تک بالکل نارمل تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ بالکل نئے علوم کے حصول کی اور ان میں اچھی خاصی استعداد پیدا کرنے کی صلاحیت ان میں آخر وقت تک قائم رہی۔ دو سال قبل انہیں سائنس کے مضامین پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا اور انہوں نے فزکس اور زولوجی میں اتنی قابلیت پیدا کر لی کہ اپنے ایک دوست فہیم صاحب کے بیٹے خالد سلمہ، کو انٹرمیڈیٹ کی تیاری میں مدد دی۔ انتقال سے چند ماہ قبل انہوں نے ایک کتاب THE.IN.GANE PAWMS پڑھی تھی جس میں یہودیوں کی بین الاقوامی سازشوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور ان کے آئندہ کے

منصوبوں کی نشاندھی کی گئی ہے۔ چونکہ میں بھی اس موضوع سے خصوصی دلچسپی رکھتاہوں اس لئے انہوں نے مجھے بلاکراس کتاب پر بہت عالمانہ تبصرہ کیااوراس موضوع پر لکھی ہوئی تقریباًپانچ کتابوں کے حوالے دیئے اوران کی کسی بھی بات سے ان کی ذہنی معذوری کااظہار نہیں ہوا۔

آپ نے اپنے مضمون میں یہ بھی فرمایاہے کہ وہ اپنابڑھاپاکسمپرسی کے عالم میں گزاررہے تھے۔ معلوم نہیں کسمپرسی کالفظ آپ نے کن معنوں میں استعمال کیاہے۔ عام طور پر یہ لفظ اس شخص کے لئے بولا جاتاہے جس کاکوئی پوچھنے والانہ ہو۔ اللہ کے فضل سے بھائی صاحب کے پوچھنے والے اتنے تھے کہ بعض اوقات انہیں اپنے تصنیف کے کام کیلئے وقت نکالنے میں دقت ہوتی تھی۔اعزاواقارب،دوست واحباب اورمعتقدین کاتانتابندھارہتاتھا۔پاکستان کے مختلف صوبوں سے اور غیر ممالک سے علماًان سے ملنے آتے تھے ورنہ خط وکتابت کے ذریعہ ان سے مسلسل رابطہ رکھتے تھے اخبارات ورسائل کے علاوہ ان کے نام اوسطاًدس خطوط روزانہ آتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ جب تک زندہ رہے کبھی کبھی ان سے ملنے آتے تھے ورنہ کہلواتے تھے

"مولاناآجایئے آپ سے ملنے کوجی بہت چاہتاہے"

خود آپ کی جامعہ سے کچھ علماء ان سے ملنے آتے تھے۔ جناب یوسف صدیقی صاحب کے گھر پر ہر مہینے کے پہلے جمعہ کو درس قرآن کے لئے جاتے تھے۔ جناب یوسف صاحب ان کو لانے لیجانے کا خاص انتظام کرتے تھے میرے بھائی اور میری بہن اور دوسرے اقرباء ان کو اپنے گھر آنے اور چند دن قیام کرنے کی دعوت بار بار دیتے تھے اور کبھی کبھی دل گھبراتا تھا تو چلے بھی جاتے تھے۔

آپ نے ان کی معذوری کی دو خصوصی وجوہات بیان کی ہیں، اول: یہ کہ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی دوم: یہ کہ ان کی اہلیہ چند سال قبل داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ میں یہ عرض کروں گا کہ ان کو اپنی شادی کے دو سال بعد یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ وہ اولاد سے ہمیشہ محروم رہیں گے۔ آپ نے نفسیات کی ایک اصطلاح Compensation پڑھی ہو گی جس کا خلاصہ یہ کہ اللہ جب انسان کو ایک صلاحیت سے محروم کرتا ہے تو کوئی دوسری صلاحیت عطا کر دیتا ہے اور اس عطا کردہ صلاحیت کا معیار بھی بہت بلند کر دیتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ اکثر نابینا حضرات کا حافظہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ ایک ہاتھ سے محروم لوگ اکثر بہت ذہین ہوتے ہیں بھائی صاحب مرحوم کو اللہ نے اولاد سے محروم کیا تو ان کی

ذہانت میں اضافہ کردیا' جس کا اعتراف علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کیا کہ "اسلام کا سیاسی نظام" لکھنے کے لئے ان کا انتخاب کیا جو انہوں ایک سال میں مکمل کرلی' اس کے بعد علامہؒ نے ان کو ندوۃ العلماء سے وابستہ ہونے کا حکم دیا۔ بھائی صاحب کی شادی کو کافی عرصہ گزر چکا تھا اور ان کو معلوم تھا کہ وہ اولاد سے محروم رہیں گے۔ ۱۹۷۱ء میں بھائی صاحبؒ کی عمر پچاس سے تجاوز کرچکی تھی اور بڑھاپے کا دور شروع ہوچکا تھا اس کے باوجود علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر انتخاب انہیں پر پڑی اور ہندوستان سے ان کو بلا کر جامعہ کی خدمات سپرد کیں۔

آپ نے یہ ثابت کرنے کے لئے اسی سال کی عمر کے بعد انسان ذہنی معذور ہوجاتا ہے ایک عربی شاعر کے شعر کا سہارا لیا ہے۔ آپ خود ہی جانتے ہیں کہ شعراً مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور میں بغیر کسی تردد کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ عربی شاعر جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے انسانی نفسیات سے بالکل ناواقف تھا۔ اگر اس نے انسانی فطرت کا مطالعہ کیا ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ دنیا میں ہر فرد ہر دوسرے فرد سے مختلف ہوتا ہے۔ (یہ بھی اللہ کا معجزہ ہے) اور بعض لوگ عمر کے ساتھ مطالعہ کی مدد سے اپنے ذہن کو زیادہ فعال

بنالیتے ہیں۔

ایک بات جس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں لیکن بھائی صاحب مرحوم کے کردار پر روشنی ڈالتی ہے، لکھتا ہوں = بھائی صاحب مرحوم نے ۱۹۹۰ء میں ڈائری لکھنا شروع کی تھی جس کو وہ پابندی سے نہ لکھ سکے کیونکہ اپنی ذات کے بارے میں لکھنے کے لئے اُن جیسے شخص کے لئے وقت نکالنا مشکل کام تھا۔ اس ڈائری کے شروع کے صفحات میں انہوں نے اپنے ماضی کے بارے میں چند باتیں لکھیں۔ پھر ۱۹۹۳ء میں کچھ صفحات لکھ سکے۔ سب سے آخر میں ۱۹۹۵ء میں انہوں نے ایک جملہ لکھا جس کو میں یہاں نقل کرتا ہوں:

"میری زندگی میں میرے چند احباب اور چند علماً نے میرا دل بہت دُکھایا لیکن میں اللہ کے حضور شکایت کے یہ کانٹے لے کر نہیں جانا چاہتا۔ میں ان سب کو صدق دل سے معاف کرتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ بھی انہیں معاف کر دے"

یہ بھی عرض کروں کہ اس سلسلے میں انہوں نے کسی دوست یا عالم کا نام نہیں لکھا۔

آخر میں یہ عرض کروں گا کہ آپ عالم دین ہیں

اور میں کسی قیمت پر آپ سے یہ درخواست نہیں کروں گا کہ آپ خدانخواستہ مجھ سے معافی مانگیں' میرے جذبات کو ٹھیس لگی میں نے اس کا اظہار کر دیا۔ اب میرا دل صاف ہے۔

میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" حسب سابق پڑھتا رہوں گا اور کوئی شرعی مسئلہ معلوم کرنا ہوا تو آپ ہی سے رجوع کروں گا۔

میں اپنے تلخ الفاظ کی جو اس خط میں استعمال کئے گئے ہیں معافی چاہتا ہوں۔ فقط۔ احقر عبدالحق تمنا

۱۰ جنوری ۱۹۹۶ء

کیا میں یہ توقع رکھوں کہ آپ یہ خط شائع کر کے مجھے شکریہ کا موقع دیں گے؟

راقم الحروف کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم و مکرم جناب عبدالحق صاحب تمنا صدیقی۔ زیدت الطافہم وعنایاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی مرحوم کے بارے میں

میرا جو نوٹ بینات میں شائع ہوا اس کے سلسلہ میں آنجناب کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ اس ناکارہ کا جو فقرہ آنجناب کے عنایت نامے کا محرک بنا میں اس کو قلمزد کرتا ہوں (مولانا مرحوم کا سن وسال ...... سے ...... لیکر معذور تھے" تک پورا پیراگراف) اور اللہ تعالیٰ سے، مرحوم کی روح سے، آنجناب سے اور دیگر متعلقین سے ندامت کیساتھ معذرت چاہتا ہوں۔

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولاتجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا ربنا انك رؤف رحیم.

میری کتاب "شخصیات وتأثرات" میں یہ مضمون شامل کیا جائے گا تو یہ پیراگراف اس میں نہیں آئے گا۔ رہی حضرت مرحوم کی عمر کی بحث! سو یہ نزاع لفظی ہے۔ آنجناب نے شمسی حساب سے لکھا ہے، اور اس ناکارہ نے قمری حساب سے، مرحوم کی ولادت: ۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ، وفات: ۲۷ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ کل عمر: ۸۵ برس، ۲ مہینے ۲۲ دن۔

حضرت مرحوم کی تعلیم کے بارے میں اس ناکارہ نے ایک رفیق سے عرض کیا تھا کہ وہ آنجناب سے حالات معلوم کرلیں، انہوں نے جو کچھ لا کر دیا وہ میں نے اپنے الفاظ

میں نقل کردیا، بعد میں معلوم ہواکہ حضرت مرحوم کے خودنوشت حالات ”نقیب ختم نبوت ملتان“ میں شائع ہوئے ہیں اگر پہلے علم ہو جاتا تو خود لکھنے کے بجائے حضرتؒ ہی کی تحریر نقل کردیتا۔ اب انشاء اللہ! کتاب میں مضمون کو شامل کرتے وقت یہی کرونگا۔ آنجناب کے آخری پیراگراف سے دل پر جناب کی عظمت کا نقش قائم ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دارین کی ترقیات سے نوازیں۔

نوٹ: چونکہ اس ناکارہ سے آنجناب کو قلبی رنج پہنچا اس لئے اظہار ندامت اور معذرت طلبی کے ساتھ آنجناب کی تطییب قلب کے لئے اپنی دو کتابیں ہدیہ کرتا ہوں۔ والسلام

محمد یوسف عفااللہ عنہ

(۶/۲/۱۴۱۶ھ)

حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی مرحوم کی وفات کے موقع پر راقم الحروف نے تعزیتی شذرہ سپرد قلم کرتے ہوئے لکھا تھا:

”یہ کتاب: ”مولانا محمد اسحٰق سندیلوی، کراچی، کا مسلک اور خارجی فتنہ“ راقم الحروف کو تبصرہ کے لئے بھیجی گئی، راقم الحروف نے ماہنامہ ”بینات“ کے انیس صفحات میں اس کتاب کی تلخیص قارئین کے سامنے پیش کر کے اس پر اپنی جانب سے چار صفحے کا تبصرہ کیا۔ نامناسب نہ

ہوگا اگر تبصرہ کا یہ حصہ یہاں دوبارہ نقل کردیا جائے تاکہ اس کا مالہ وماعلیہ قارئین کے سامنے آجائے“

اب جبکہ ”شخصیات وتأثرات“ جلد دوم مرتب ہورہی ہے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بطور ضمیمہ خارجی فتنہ پر لکھا گیا پورا تبصرہ یہاں درج کردیا جائے :

مولانا محمد اسحٰق سندیلوی کراچی کا مسلک اور

خارجی فتنہ : حصہ اول پر تبصرہ!

تالیف :...... مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

صفحات :...... ۶۱۲، قیمت مجلد -/۲۵

پتہ :...... دفتر خدام اہلسنت، چکوال' ضلع جہلم،

”جیسا کہ کتاب کے نام سے واضح ہے یہ کتاب مولانا محمد اسحاق صدیقی، (مصنف ”اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت“ وصدر شعبہ دعوت وارشاد جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے رد میں لکھی گئی ہے۔

اس کی تقریب یہ ہوئی کہ مصنف نے اپنے رسالہ ”دفاع صحابہؓ“ میں محمود احمد عباسی مصنف ”خلافتِ معاویہ ویزید“ کے فتنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا محمد اسحاق صدیقی کے بارے میں لکھا تھا :

”جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ایک استاذ مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی صدیقی ہیں۔ جو غالباً استاذ ہیں مولوی عظیم الدین صاحب کے محمود احمد عباسی، عظیم الدین اور حکیم فیض عالم وغیرہ مصنفین نے تو حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت حسینؓ

کے خلاف تیز لہجہ اختیار کیا۔ اور مولانا محمد اسحاق موصوف تقریباً بات انہی کی کرتے ہیں۔ لیکن لہجہ کچھ نرم اختیار کرتے ہیں۔ وہ پوری طرح حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق اہل سنت کے عقیدہ سے متفق نہیں ہیں۔ اسی لئے وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کو عارضی اور عبوری خلافت قرار دیتے ہیں نہ کہ مستقل اور آیت تمکین اور آیت استخلاف کا مصداق"

ص(۵۳)

اس کے جواب میں مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی نے ایک چھوٹا سا رسالہ "جواب شافی" کے نام سے لکھ دیا۔ گویا زیر نظر کتاب جواب شافی کے جواب میں لکھی گئی ہے جس میں وضاحت کی گئی ہے کہ مولانا محمد اسحاق سندیلوی کا تعلق محمود احمد عباسی کے خارجی ٹولے سے ہے، وہ انہی کے ہمنوا ہیں۔ اور انہی کے نظریات کو اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں۔ کتاب میں اس دعویٰ کے ثبوت میں جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں :

اولاً :.... محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" (جو دورِ جدید میں خارجیت کی بنیاد ہے کے جواب میں حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کا ایک مقالہ شائع ہوا جس میں آپ نے لکھا کہ کتاب کے مضامین مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں۔"

مولانا محمد اسحاق صاحب نے "صدقِ جدید لکھنؤ" کی ۱۲ر نومبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں عباسی صاحب کی حمایت اور قاری صاحب کے رد میں ایک بیان

شائع کیا۔ جس میں لکھا:

"کتاب خلافتِ معاویہ ویزید توزلزلہ افگن ثابت ہوئی اگر شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو جائے تعجب نہیں۔ مگر بعض اہل سنت کاان کی ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے۔ خصوصاً مہتمم دار العلوم کا یہ اعلان اور بھی تحیر خیز ہے کہ " کتاب کے مضامین مسلک اہلسنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں"۔ میں نے کتاب اول سے آخر تک دیکھی، اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد۔

ہاں اگر کوئی شخص ایک عقیدہ قائم کر کے واقعات وحوادث کوان کے مطابق بنانا چاہے تو تحقیق کے بعد اس کی سعی لاحاصل کی لذت ختم ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔ اس لئے کہ واقعات کا ہمارے خیال کے مطابق ہونا ضروری نہیں، مذہب اہل سنت والجماعت تو اس طرزِ فکر کی تعلیم نہیں دیتا۔ اس سے کتاب کے مضامین کا تضاد بالکل خلاف عقل ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یزید قتلِ حسینؓ کے جرم کا مرتکب ہی نہیں ہوا تو اس کی مذمت یا اس سے عداوت ونفرت کے لئے کیا وجہ جواز ہو سکتی ہے؟ یہ ذہنیت بالکل ناقابل فہم ہے کہ واقعہ خواہ کچھ ہو مگر ہم تو یزید کو بہر حال مجرم ہی سمجھیں

گے، گویا اسے مجرم سمجھنا کوئی مخصوص عقیدہ ہے۔ جس پر قائم رہنا اور اس کے خلاف تاریخی شہادتوں کو رد کر دینا عین واجب ہے۔ مذہب اہل سنت والجماعت تو ہرگز اس طرز فکر کو جائز قرار نہیں دیتا۔ اس تاریخی مسئلہ کو کتاب میں پیش کیا گیا ہے تو غریب مصنف نے کیا جرم کیا ہے؟ اور مسلک اہلسنت والجماعت کی کونسی مخالفت ہے؟"۔

مصنف لکھتے ہیں:

"اس عبارت سے محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی مکمل حمایت ثابت ہوتی ہے۔ باقی رہا یہ کہ عباسی صاحب کی کتاب مذہب اہل سنت والجماعت کے خلاف نہیں ہے تو یہ سندیلوی صاحب کی صریح غلط بیانی ہے کیونکہ اس کتاب میں صرف یہ نہیں کہ یزید کو صالح اور متقی قرار دیا گیا ہے بلکہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی صریح تنقیص و توہین کی گئی ہے"۔

(خارجی فتنہ ص ۲۵)

ثانیاً: .... عباسی تحریک کے لٹریچر میں مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی کا نام محمود احمد عباسی صاحب کے شاگردوں میں درج کیا گیا ہے۔ چنانچہ محمود احمد عباسی صاحب کے سب سے زیادہ فیض یافتہ شاگرد کراچی کے عزیز احمد صاحب صدیقی ہیں، ان کی تصانیف مکتبہ جاء الحق کراچی سے شائع ہوتی

ہیں۔ ان کے ایک رسالہ "قرآن اور مسلمان" ص ۱۵ میں "شکرانہ توفیق" کے تحت لکھا ہے:

"اللہ عزوجل کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے پاکستان میں محمود احمد عباسی کو ۷۰، ۸۰ سال کی عمر میں تاریخ اسلام کے چہرے سے گندگی کا گرد و غبار دور کرنے اور معصیت کے داغ دھبے دور کرنے کی توفیق بخشی۔ موصوف نے پندرہ سال کے عرصے میں نہ صرف "خلافت معاویہ ویزید"۔ "تحقیق مزید"۔ "حقیقت سید و سادات"۔ "حقیقت خلافت وملوکیت"۔ "مقتل حسین"۔ اور "ام ہانی" جیسی ایمان افروز تخلیقات پیش کیں۔ بلکہ اپنے شاگردوں کا بڑا حلقہ تیار کر دیا جس نے تحقیق وتردید سبائیت وباطنیت کو اپنا مقصد زندگی بنالیا۔ جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں:

(۱) عزیر احمد صدیقی (۲) محمد سلطان نظامی لاہور (۳) ابو یزید بٹ لاہور تالیفات رشید بن رشید وغیرہ۔ (۴) حکیم فیض عالم صدیقی جہلم (۵) ایم جے آغا مؤلف "خدا پرستی سے انسان پرستی تک" وغیرہ۔ (۶) مولوی محمد اسحاق صدیقی ندوی کراچی۔ مؤلف اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت ۲ جلد۔ اسلامی ذہن وغیرہ (۷) ثناء الحق صدیقی کراچی (۸) مولوی عظیم الدین صدیقی۔ تالیفات

علی مرتضٰی، حادثہ کربلا، امیر المؤمنین یزید وغیرہ"۔

مصنف اس عبارت کو نقل کر کے اس پر حسب ذیل تبصرہ کرتے ہیں:

> "جب کراچی سے شائع شدہ کتابوں میں محمود احمد عباسی صاحب کے تلامذہ میں مولانا محمد اسحاق سندیلوی مؤلف "اظہارِ حقیقت" کا نام بھی پایا جاتا ہے تو پھر ہم اگر یہ سمجھیں کہ مولانا بھی اس گروہ کے ایک فرد ہیں تو مولانا کو زیادہ چیں بجبیں نہیں ہونا چاہئیے"...... (ص ۶۵)

ثالثاً:.... محمود احمد عباسی صاحب کی خارجی پارٹی کے ایک رکن مولوی عظیم الدین صاحب مؤلف "حیات سیدنا یزید" ہیں۔ موصوف کا ایک کتابچہ "حادثۂ کربلا" کے نام سے ہے، جو لغویات کا پشتارہ ہے۔ اور جس کے صفحہ ۱۵ پر یہ داد تحقیق دی گئی ہے کہ عمرو بن سعد اور شمر ذی الجوشن وغیرہ تو حضرت حسینؓ کی حفاظت کرنے والے تھے۔ اور آپ کو قتل کرنے والے وہ کوفی نہیں جو سرکاری لشکر میں تھے۔ بلکہ آپ کو اُن ساٹھ کوفیوں نے شہید کیا ہے جو آپ کے قافلہ میں شریک تھے۔ اس کتابچے میں مولوی عظیم الدین صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر بجائے "رضؓ" کے ہر جگہ "رحؒ" کی علامت لکھی ہے۔ کیونکہ وہ حضرت حسینؓ کو صحابی نہیں تسلیم کرتے۔ اور اس کتابچے کے صفحہ ۶ پر مولوی صاحب لکھتے ہیں:

> "حضرت علیؓ کے عہد میں حالات نے اسلامی غزوات وفتوحات کے بجائے خانہ جنگی اور طوائف الملوکی کا رُخ

اختیار کر لیا۔ چنانچہ جمل، صفین اور نہروان نامی تین خطرناک
اور اہل اسلام کے لئے تباہ کن جنگیں ہوئیں۔ جن میں ایک
لاکھ کے قریب مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل
ہو گئے۔ بالآخر حضرت علیؓ اپنے ہی گروہ کے عبدالرحمٰن بن
ملجم نامی برادرکشی سے تنگ آئے ہوئے ایک شخص کے
قاتلانہ حملہ سے شہید ہو گئے"۔

مولانا محمد اسحاق صاحب اس کتابچہ "حادثہ کربلا" کے مذکورہ بالا مضامین کی تحسین و تقریظ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"مولانا ابوالحسین محمد عظیم الدین صاحب کا رسالہ
"حادثہ کربلا" میں نے دیکھا ماشاء اللہ بہت مفید اور نافع ہے۔
اہل سنت کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ تاکہ سبائی دروغ
بافیوں نے جو طلسم تیار کیا ہے وہ شکست ہو"۔

مولوی عظیم الدین صاحب، عباسی صاحب کی تحریک کے رکن رکین ہیں اور مولانا محمد اسحاق صاحب ان کی کتاب کی تصدیق و تقریظ فرماتے ہیں۔ اس سے مصنف یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ دونوں کے نظریات میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اور یزیدیت کے مسئلہ پر نظریاتی طور پر تو مولوی عظیم الدین کو مولانا سندیلوی کا شاگرد کہا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ جدا امر ہے کہ شاگرد استاذ سے بڑھ جائے۔

(ص ۵۸ تا ۶۳)

رابعاً:.... محمود احمد عباسی صاحب اور ان کے شاگردوں نے ملک میں

خارجیت وناصبیت کا طوفان برپا کرر کھا ہے۔ اور خود کراچی سے شائع ہونے والے والے کتابچوں پر یہ الفاظ نمایاں طور پر لکھے جارہے ہیں :

”ناصبی بھائیوں اور ٹھیٹ مسلمانوں کے مطالعہ کے لئے“۔

لیکن مولانا محمد اسحاق صاحب اس ناصبی وخارجی ٹولے کے وجود ہی سے انکار فرمارہے ہیں چنانچہ اظہار حقیقت جلد اول ص ۲۰ پر لکھتے ہیں :

”اگر اس سے نواصب وخوارج مراد ہیں تو جہاں تک مجھے علم ہے ان کا کوئی وجود پاکستان وہندوستان میں نہیں ہے۔ نہ آج تک ان ملکوں میں ایسی کتاب کا نام سنا گیا ہے جس میں ناصبیت وخارجیت کی ترجمانی کی گئی ہو“۔

اور مولانا موصوف اپنے ایک مکتوب بنام حافظ عبدالوحید صاحب حنفی (چکوال) محررہ یکم رجب ۱۳۹۵ھ ـ ۱۲ جولائی ۱۹۷۵ء میں لکھتے ہیں :

”مزید یہ کہ عباسی تحریک نامی کسی چیز کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں سرپرستی کا کیا سوال ؟ جو قابل اعتراض چیزیں ان کے یہاں پائی جاتی ہیں وہ ان کے ذاتی خیالات تھے۔ جن کا تعدیہ قلیل بمنزلہ معدوم ہوا، اور ان کے انتقال کے بعد تو وہ کالمعدوم بھی معدوم ہو گیا۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جن کے یہاں اس سے بھی زیادہ قابل اعتراض افکار پائے جاتے ہیں مگر وہ خودرو ہیں، عباسی صاحب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے“۔

مولانا کی عبارت نقل کر کے مصنف دریافت کرتے ہیں کہ مولانا کی اس پردہ داری کو جھوٹ اور تقیہ کا نام دیا جائے یا غفلت وناواقفیت کا؟ اور یہ کہ جو شخص کراچی میں رہتے ہوئے کراچی کے ناصبی لٹریچر اور اس کے مصنفین سے بھی ناواقف ہو وہ حضرت علیؓ ومعاویہؓ اور حسینؓ ویزید کے واقعات سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے؟ اور یہ کہ جن کو مولانا "خود رو مصنفین" فرما رہے ہیں کیا محمود احمد عباسی سے ان کا کوئی تعلق نہیں؟ اور یہ کہ کیا یہ لوگ بھی مولانا کے نزدیک ناصبی اور خارجی نہیں؟ اگر یہ ناصبی وخارجی ہیں تو مولانا کیسے فرماتے ہیں کہ "پاک وہند میں ناصبیت وخارجیت کا کوئی وجود نہیں" اور اگر یہ لوگ مولانا کے نزدیک ناصبی وخارجی نہیں تو فرمایئے کہ ان کا شمار کس فرقہ میں کیا جائے؟ (ص ۶۵ وما بعد)

اس ضمن میں مصنف نے محمود احمد عباسی اور ان کی تحریک کے علمبرداروں (عزیر احمد صدیقی، نذیر احمد شاکر، ابویزید بٹ۔ حکیم فیض عالم صدیقی، مولوی عظیم الدین اور ڈاکٹر احمد حسین کمال) کے چند ہفوات نقل کئے ہیں۔ آخر میں "مولانا سندیلوی غور فرمائیں" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"گزشتہ صفحات میں محمود احمد عباسی اور ان کی تحریک کے چند مصنفین کی تحریرات بطور نمونہ پیش کر دی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کے منکر ہیں اور ان کی عظیم دینی شخصیت کو بڑی بے باکی سے مجروح کرتے ہیں، اس سلسلہ میں وہ قصداً علمی خیانت اور کذب بیانی کرتے ہیں۔ ان کے ہتھکنڈے وہی ہیں

جو روافض کے ہیں۔ عباسی تحریک کے لٹریچر کے مطالعہ سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ تحریک بھی سبائی تحریک ہی کی دوسری شاخ ہے۔ رافضیت اور خارجیت ایک ہی سبائی تحریک کے دو راستے ہیں۔

بعض لوگ شیعیت کی شرانگیزی کے ردّ عمل میں اس تحریک کے لٹریچر سے متأثر ہوتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عباسی تحریک شیعوں کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ تحریک مذہب اہل السنت والجماعت کے خلاف ہے۔ بلکہ اسلام کے عقیدہ (خلافت) راشدہ کے خلاف ہے۔ اس تحریک کی بنیاد انکار حدیث ہے۔ اپنے مشن کے تحت ہی یہ لوگ حدیث کو قبول یا مسترد کرتے ہیں ۔ قرآن کی بھی من مانی تفسیر وتشریح کرتے ہیں ۔ لیکن تعجب ہے کہ مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی، مودودی صاحب کے افکار و نظریات کی تردید کرتے ہوئے یہ فرمارہے ہیں کہ اگر اس سے مراد نواصب وخوارج ہیں تو جہاں تک مجھے علم ہے ان کا کوئی وجود پاکستان وہندوستان میں نہیں"۔

(اظہار حقیقت جلد اول ص ۲۱، خارجی فتنہ ص ۴۴ او مابعد)

خامساً: .... مولانا بعض افکار و نظریات میں عباسی صاحب کے ہمنوا ہیں، مثلاً:

۱ :.... دونوں حضرت علیؓ کی خلافت کے لئے استصواب عام کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

۲ :.... دونوں حضرت علیؓ کی خلافت کو "عبوری خلافت" قرار دیتے ہیں۔

۳ :.... دونوں حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے اختلافات میں حضرت علیؓ کی سیاسی غلطی کے قائل ہیں مگر حضرت معاویہؓ کی طرف سیاسی غلطی کی نسبت نہیں کرتے۔

۴ :.... دونوں یزید کے حامی ہیں اور اسے صالح اور خلیفۂ عادل قرار دیتے ہیں۔

۵ :.... دونوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کو غلط کہتے ہیں اور اس پر تنقید کرتے ہیں۔

۶ :.... دونوں، امہات المؤمنین کے حق میں افراط کرتے ہوئے ان کے لئے صلوٰۃ و سلام کے الفاظ لکھتے ہیں۔ لیکن حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ کے لئے صلوٰۃ و سلام یا علیہ السلام نہیں لکھتے۔ (خارجی فتنہ ص ۱۵۴ تا ص ۱۵۵)

سادساً :..... مولانا کے ایک مصاحب جناب طاہر مکی ہیں' موصوف کا ایک رسالہ "حقیقی اہلبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے شائع ہوا، جس میں تحقیق فرمائی گئی کہ :

> "درود شریف میں آل محمد سے مراد ازواج مطہرات ہیں' کیونکہ فرشتوں نے جو درود بھیجا تھا وہ حضرت ابراہیم کی کسی صاحبزادی یا نواسوں پر نہیں بھیجا تھا، اسی طرح ان کی

تقلید میں اور انہی کے الفاظ میں ہم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی ازواج مطہرات پر درود بھیجتے ہیں"۔

(خارجی فتنہ ص ۱۶۴)

مصنف اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شیعوں نے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم کو قرار دیا ہے۔ اور ازواج مطہرات (امہات المؤمنین) کو اہل بیت سے خارج کر دیا۔ العیاذ باللہ لیکن تعجب تو یہ ہے کہ شیعوں کے غلو کے مقابلہ میں غلو سے کام لے کر طاہر مکی صاحب نے نماز کے درود کے الفاظ میں "آل محمد" سے مراد ازواج مطہرات لے کر باقی سب کو، حتی کہ صحابہ کرام کو خارج کر دیا"۔

اور اس کتابچے پر مولانا محمد اسحاق صاحب ان الفاظ میں تقریظ فرماتے ہیں:

"جناب مولانا طاہر کی کتاب "حقیقی اہل بیتِ رسول" دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ سبائی دشمنان صحابہ کے پروپیگنڈے کے اثر سے لفظ اہل البیت کے مفہوم و مصداق سمجھنے میں جو غلطی اور گمراہی پیدا ہو گئی ہے، اس کے ازالہ اور صحیح راستہ یعنی مسلک اہل سنت کو واضح کرنے کے لئے اس زمانہ میں

رسالہ بے نظیر ہے۔ مولانا موصوف نے قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلک اہل سنت کو خوب واضح کیا ہے، بلاشبہ یہ دین کی بہت قیمتی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ جناب مصنف کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں اور اس کتاب کو قبول ومقبول فرما کر ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین"۔ (ص ۲)

مصنف دریافت کرتے ہیں کہ :

"طاہر صاحب اور مولانا سندیلوی (جو طاہر صاحب کے مؤید ہیں) " آل محمد " اور اہل البیت کا معنیٰ ایک قرار دے کر نماز کے درود میں " آل محمد " سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات لے رہے ہیں۔ یہ جہالت ہے یا تلبیس؟ کیا قرآن مجید میں کہیں آل بمعنی ازواج مستعمل ہے"۔ (ص ۱٦٦)

اسی کتابچہ میں جناب طاہر مکی صاحب آل کے حقیقی معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"کسی شخص کی حقیقی آل اس کی بیوی ہوتی ہے۔ ہاں مجازی طور پر ہم قبیلہ ہم قوم بلکہ تمام ماننے والوں کو بھی آل کہہ دیا جاتا ہے"۔ (حاشیہ ص ۲۷)

اور مولانا محمد اسحاق صاحب اس کی تصدیق وتقریظ فرماتے ہیں۔ جب کہ طبری کی ایک روایت (جس میں حضرت علیؓ کا یہ قول مذکور ہے کہ ہم آل

رسول ہیں) کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اول تو آل کے معنی اولاد کے نہیں ہیں۔ بلکہ کسی شخص کی آل میں ہر وہ فرد داخل ہوتا ہے جو اس کا معاون ہو اور اس سے کوئی خاص ربط رکھتا ہو۔ یا اس کے تابع ہو، اس میں اولاد اور غیر اولاد سب داخل ہیں۔ اس معنی میں جو لفظ آل کے حقیقی معنی ہیں حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ بھی آل رسول ہیں، پھر اس پر غصہ کے کیا معنی؟ آل کے معنی اولاد کے ہوں تو حضرت علیؓ اس میں کیسے داخل ہوں گے؟ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کلام حضرت علیؓ کا نہیں۔"

(اظہارِ حقیقت جلد دوم حاشیہ ص ۲۳۰)

مصنف لکھتے ہیں :

"یہاں تو حضرت علیؓ کو آل رسول سے نکالنے کے لئے مولانا سندیلوی نے آل کے حقیقی معنی بیان کر دیئے (اور یہی آل کے حقیقی معنی ہیں) لیکن جب نماز کے درود شریف سے حضرت علیؓ وغیرہ حضرات کو خارج کرنا مقصود تھا تو طاہر مکی صاحب نے آل کے حقیقی معنی بیوی کے کر دیئے اور مولانا نے اس کی تصدیق فرما دی۔

گویا کہ مولانا موصوف کے نزدیک حسب موقع آل کا حقیقی معنی بدل جاتا ہے۔ یہ تحقیق و تدقیق ہے یا تعصب

و تخریب؟ سندیلوی صاحب کی یہ تضاد بیانی کس مقصد کے لئے ہے؟ یہ نتیجہ ہے علمائے حق اور سلف صالحین کی تحقیقات پر عدم اعتماد کا۔" (ص ۱٦۸)

....

"دفاع صحابہ" میں مصنف نے مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی پر ایک الزام یہ عائد کیا تھا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کو عارضی و عبوری قرار دیتے ہیں نہ کہ مستقل اور آیت تمکین و آیت استخلاف کا مصداق....!"جواب شافی" میں مولانا نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

"اظہار حقیقت کی جو عبارت قاضی صاحب نے نقل کی ہے بار بار پڑھنے پر بھی کسی "عارضی و عبوری" کے الفاظ نہ ملیں گے۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے غیر مستقل ہونے کا بھی کوئی تذکرہ اس میں نہیں مل سکتا، اسی طرح اس مضمون کا نام و نشان بھی نہ ملے گا کہ حضرت علیؓ کی خلافت آیت استخلاف و آیت تمکین کی مصداق نہ تھی۔ یہ مضامین قاضی نے اپنی طرف سے وضع فرما کر میری طرف منسوب فرمادیئے۔ موصوف کی اس جسارت پر حیرت ہے کہ ان غلط الزاموں کے ثبوت میں ایسی عبارت پیش کی جس میں ان میں سے کسی کا سرے سے وجود ہی نہیں"۔

(جواب شافی ص ۹ خارجی فتنہ ص ۲۰۸)

اس کے جواب میں مصنف، مولانا موصوف کی آٹھ عبارتیں (جن میں حضرت علیؓ کی خلافت کو جائز و صحیح مگر ہنگامی، عارضی، عبوری اور غیر مستقل کہا گیا ہے) نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اب مولانا سندیلوی ہی بتائیں کہ میں نے آپ کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے عبوری، عارضی اور غیر مستقل ہونے کا قول غلط طور پر منسوب کیا تھا یا آپ نے اپنی کتاب میں خود یہ الفاظ لکھے ہیں؟ اگر مندرجہ عبارتیں آپ ہی کی ہیں تو پھر آپ نے ان کا انکار کر کے اعتراف حق کیا ہے یا کذب بیانی اور تقیہ کا ارتکاب کیا ہے؟ ندوۃ العلماء کے سابق شیخ الحدیث اور اپنی جماعت کے امام اہلسنت' کی کیا یہی شانِ صدق تحقیق ہونی چاہئے عبرت۔ عبرت۔ عبرت"۔ (ص ۲۱۱)

مصنف کو مولانا محمد اسحاق صاحب سے ایک شکایت یہ ہے کہ مشاجرات کی بحث میں وہ صحیح توازن برقرار نہیں رکھ سکے جو اہل سنت کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس ضمن مین مصنف نے امام احمد بن حنبل' امام عبدالقاہر بغدادی' حافظ ابن حزم اندلسی، امام غزالی، امام قرطبی، قاضی ابوبکر بن العربی، شاہ عبدالقادر جیلانی، امام نووی، امام برہان الدین فرغانی (صاحب ہدایہ) حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ ابن ہمام، حافظ ابن کثیر، شیخ ابن حجر مکی، شیخ علی القاری، امام ربانی مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ اسمٰعیل شہید، علامہ فرہاروی

(صاحب نبراس) وغیرہ رحمہم اللہ کے حوالوں سے اہل سنت کا مسلک واضح کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

۱ :.... صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان حق وباطل کا اختلاف نہیں تھا بلکہ صواب وخطا کا اختلاف تھا اور یہ کہ اکابر کے کلام میں کہیں حق وباطل کا لفظ استعمال ہوا ہو تو اس کو اسی پر محمول کرنا چاہئے۔

۲ :.... ان مشاجرات میں ہر فریق نیک نیت اور رضائے الٰہی کا طالب تھا۔ چونکہ یہ تمام اکابر مجتہد تھے، اس لئے ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ اس لئے ان میں سے کسی پر بھی طعن وملامت روا نہیں۔ بلکہ جن حضرات سے اجتہادی خطا سرزد ہوئی وہ بھی عند اللہ اجر وثواب کے مستحق ہیں۔

۳ :.... محاربات میں حق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب تھا۔ اور ان کے مخالفین خطا پر تھے، اور ان کی یہ خطا بھی موجب اجر ہے۔

۴ :.... صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ان مناقشات ومحاربات کو بلا ضرورت بیان کرنا بھی روا نہیں۔ "ولا نذکرھم الاّ بخیر"۔ لیکن ضرورت کے موقع پر خطائے اجتہادی کو بیان کرنا بے ادبی وگستاخی نہیں۔ بشرطیکہ انداز بیان گستاخانہ وبے باکانہ نہ ہو۔ یہاں مصنف کی نقل کردہ عبارتوں میں سے امام ربانی مجدد الف ثانی ؒ کے دو اقتباس نقل کردینا مناسب ہے۔ مکتوبات کے دفتر دوم مکتوب ۳۶ میں روافض وخوارج کے افراط وتفریط اور اہل سنت کے اعتدال کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"لیکن جمہور اہل سنت بدلیلے کہ برایشاں ظاہر شدہ

باشد بر انند کہ حقیقت حق در جانب امیر بودہ و مخالف او راہ
خطا پیمودہ، لیکن این خطائے اجتہادی است از ملامت و طعن
دور است واز طعن وتشنیع پاک ومُبرا۔'' (خارجی فتنہ ص ۲۰۷)
ترجمہ :'' لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل کی بناء پر، جو ان پر
ظاہر ہوئی ہے اس پر ہیں کہ حضرت امیر (علی مرتضیٰ) حق
پر تھے۔ اور آپ کے مخالف غلط راہ پر چلے۔ لیکن یہ چونکہ
اجتہادی خطا ہے۔ اس لئے ملامت اور طعن سے دور ہے اور
تشنیع و تحقیر سے پاک و مُبرا ہے۔''

اور دفتر اوّل کے مکتوب ص ۲۶۶ میں اہل سنت کے عقائد کی تشریح
کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

''....ناچار ہمہ را دوست میداریم بدوستی پیغمبر علیہ
وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات از بُغض وایذائے ایشاں گریزاں کہ
آں بُغض وایذا منجر باں سرور شود۔ لیکن محق را محق گوئیم و مخطی
را مخطی، حضرت امیر بر حق بودند و مخالفان ایشاں بر خطا زیادہ
براین فضولیست۔ (خارجی فتنہ ص ۳۰۹)

ترجمہ :... '' ناچار تمام صحابہؓ کو ہم دوست رکھتے
ہیں بوجہ پیغمبر ﷺ کی دوستی کے 'اور ان کے بُغض وایذا سے
بھاگتے ہیں، کیونکہ صحابہ کا بُغض وایذا آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم تک پہنچتا ہے، لیکن حق والے کو حق پر کہتے ہیں
اور خطا والے کو خطا پر، (ان جھگڑوں میں) حضرت امیر (علی)

حق پر تھے اور آپ کے مخالفین خطا پر۔ اس سے زیادہ کہنا فضول ہے۔"

اس کے برعکس مولانا محمد اسحاق صاحب ان محاربات و منازعات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں مگر ان کے مخالفین کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت کو بھی برداشت نہیں کرتے۔

مصنف لکھتے ہیں :

"سندیلوی صاحب مشاجرات صحابہ کے بارے میں دعویٰ تو غیر جانب داری کا کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ میدانِ بحث میں اترتے ہیں تو حضرت علی المرتضیٰ پر بے باکانہ تنقید کر کے آپ کی خلافتِ موعودہ کو مجروح کرنا اپنا حقِ تحقیق سمجھتے ہیں۔ جس میں حضرت معاویہؓ کی طرف داری کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ چنانچہ حسب ذیل عبارات ملاحظہ فرمائیں :

۱ :.... "واقعات پر نظر کرنے سے توبظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں حضرت معاویہ اقرب الی الحق تھے۔"

(ص ۴۴۵)

۲ :.... "حالات کی خصوصیت نے ان کی رائے کو اور بھی وزنی اور ان کی دلیل کو مزید قوی بنادیا تھا" (ص ۱۷۷)

۳ :.... "یہ موقف تھا حضرت معاویہؓ کا، وہ نہ تو حضرت علی

کی اطاعت سے کلیتاً منحرف تھے، نہ ان کی خلافت کے منکر،
وہ صرف اپنی معزولی کے مسئلہ میں ان کی اطاعت واجب
نہیں سمجھتے تھے۔ اور ان کی یہ رائے آئین اسلام کی ایک مدلل
اور مبرہن تشریح پر مبنی تھی"۔ (ص ۱۷۸)

۴:.... حضرت علیؓ کی رائے صحیح ضرور تھی مگر حضرت
معاویہؓ کی رائے اصح یعنی نسبتاً زیادہ صحیح تھی"۔

(اظہار حقیقت ص ۲۰۲ خارجی فتنہ ص ۲۹۹)

مصنف نے اس سلسلہ میں مولانا کی سولہ عبارتیں جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی تنقیص یا مرجوحیت کا پہلو نکلتا ہے، نقل کر کے حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

"مودودی صاحب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
پر جس انداز سے تنقید کی ہے اسی انداز میں سندیلوی صاحب
حضرت علیؓ پر اپنی مؤرخانہ تنقید کا نشتر چلاتے ہیں۔ سندیلوی
صاحب کے ان تنقیدی شہ پاروں کے مطالعہ کے بعد کوئی
صاحب فہم وانصاف شخص یہ رائے نہیں دے سکتا کہ یہ وہی
حضرت علیؓ ہیں جن کو وہ قرآنی پیشگوئی کا خلیفہ راشد تسلیم
کرتے ہیں......" (ص ۴۰۶)

مصنف کو مولانا سے ایک شکایت یہ ہے کہ جہاں مولانا کے نظریات اکابر اہل سنت کے ارشادات سے ٹکراتے ہیں وہاں بجائے اس کے کہ مولانا اپنے

نظریات کی اصلاح فرمائیں الشان اکابر پر جرح و تنقید کر ڈالتے ہیں۔ مثلاً مودودی صاحب نے امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل کیا تھا کہ اس وقت حضرت علیؓ سے بڑھ کر کوئی خلافت کے لئے احق نہ تھا۔ اس پر مودودی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

> ”جناب والا! امام ممدوح تو اس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ ان کا قول اس دور کی آراء کا ترجمان کیسے ہو سکتا ہے ؟ اور اس کا اثر اس دور کی امت پر کیسے پڑ سکتا ہے ؟“۔
>
> (اظہار حقیقت حاشیہ ص ۴۲۱، خارجی فتنہ ص ۵۶۴)

مصنف صفحہ ۱۷۵ پر ”مودودی و سندیلوی مماثلت“ کے زیر عنوان لکھتے ہیں :

> ”گو مولانا سندیلوی، مودودی صاحب کے سخت خلاف ہیں (اور ہونا چاہئیے) لیکن علمی و تحقیقی پندار اور بعض پہلوؤں سے اکابر سلف کی تحقیق سے اعتماد اٹھانے میں دونوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً مودودی صاحب نے لکھا ہے :
>
> الف :.... ”میری رائے صرف اس لئے کیوں لازماً مرجوح ہے کہ میں خلف ہوں۔ اور سلف کے ہر بزرگ کی رائے صرف اس وجہ سے کیوں راجح ہے کہ وہ سلف ہیں“۔
>
> (رسائل و مسائل ص ۵۶۰ جلد دوم بار دوم ۱۹۵۷ء)

اور مولانا محمد اسحاق صاحب حافظ ابن عبدالبر پر تنقید کرتے ہوئے

فرماتے ہیں :

"وہ حضرات جو قدامت ہی کو عظمت کی دلیل سمجھتے ہیں میری اس تحریر پر ضرور چیں بجبیں ہوں گے"۔

(اظہار حقیقت جلد اوّل ص ۱۱۴)

ب :.... اپنی تحقیق کو صحیح قرار دیتے ہوئے مولانا موصوف لکھتے ہیں :

"ان روایات سے نتیجہ اخذ کرنے کا جس طرح حافظ ابن کثیر وامثالہم کو حق ہے اسی طرح ہمیں بھی حق ہے۔ اس بارے میں انہیں ہم پر کوئی امتیاز وترجیح حاصل نہیں۔ اس لیے ان کی رائے کو بطور حجت نہیں پیش کیا جائے گا"۔

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۲۴۶)

ج :.... متأخرین فقہاء و متکلمین کی تحقیق کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "ہم نے متأخرین کی اس غلط روش کو چھوڑ کر تحقیق کا صحیح راستہ اختیار کیا ہے"۔

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۱۷۱)

د :.... "مسئلہ ذرا دقیق ہے اور جو زاویہ نظر میں پیش کر رہا ہے (ہوں) وہ جدید ہے اس لئے قدرے تفصیل کی احتیاج ہے۔ جو درج ذیل ہے"۔ (ایضاً ص ۱۷۲)

اس ضمن میں مصنف نے مودودی صاحب کے بارے میں مولانا محمد

اسحاق صاحب کا یہ دل چسپ فقرہ نقل کیا ہے:

"جب تک اسلاف پر اس طرح طنز و تعریض کر کے ان میں کوئی نقص نہ نکالا جائے اس وقت تک "شان تجدید" کیسے ظاہر ہو سکتی ہے۔ اور جماعت کے افراد میں یہ خیال کیسے پھیل سکتا ہے کہ چودہ سو سال کی مدّت میں اسلام کو پورے طریقے سے صرف مودودی صاحب نے ہی سمجھا ہے"۔

(اظہار حقیقت جلد اول ص ۴۵)

اس پر مصنف لکھتے ہیں:

"لیکن مودودی صاحب کی جس خود ساختہ تجدید کی یہاں نشاندہی فرما رہے ہیں خود مولانا سندیلوی بھی اس میں مبتلا ہیں۔ وہ بھی اپنے افکار و نظریات کو صحیح منوانے کے لئے میدان صاف کر رہے ہیں اور ان بڑی بڑی علمی شخصیتوں کی تحقیق سے اعتماد اٹھانا چاہتے ہیں جو ان کی ریسرچ اور تحقیق میں حائل ہیں (اس کے بعد مولانا کی متعدد عبارتیں نقل کی ہیں جن میں اکابر کے ارشادات پر جرح کی گئی ہے)"۔

(ص ۷۷ و ما بعد)

کتاب کے شروع میں "عرض حال" کے تحت مصنف لکھتے ہیں:

"سندیلوی صاحب نے گو اپنی کتاب "اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت" ابو الاعلیٰ مودودی صاحب بانی جماعت

اسلامی کے ردّ میں لکھی ہے۔ لیکن کتاب کے مطالعہ سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اس میں بنسبت مودودیت کے سبیت کارد زیادہ ہے چنانچہ حسب ذیل عبارتیں اس امر کی واضح دلیل ہیں (یہاں بھی مولانا کی وہ عبارتیں درج کی گئی ہیں جن میں اہل سنت اکابر سے بے اعتمادی کا اظہار کیا گیا ہے)"۔

(ص ۱۳)

اور صفحہ ۱۷ پر "اکابر کی کفش برداری" کے زیر عنوان مصنف لکھتے ہیں:

"دفاع صحابہ" میں بندہ نے لکھا تھا کہ مولانا محمد اسحاق سندیلوی یزید کو صالح وعادل مانتے ہیں، حالانکہ حضرات اکابر مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت مدنی اور امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہم اللہ وغیرہ یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں سندیلوی صاحب فرماتے ہیں:

"ان بزرگوں کے ساتھ محبت وعقیدت کو میں اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہوں اور ان کی "کفش برداری" میسر ہونے کو باعثِ عزّت، لیکن باوجود اس کے ان کی ہر رائے کی اتباع ضروری نہیں سمجھتا اور اختلاف رائے کو جائز تصور کرتا ہوں۔ چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں ان حضرات کی رائے کو

صحیح نہیں سمجھتا...... یہ بزرگان امت مخلص اور حق پسند تھے،

اگر تحقیق فرماتے تو وہی کہتے جو میں کہتا ہوں"۔ (جواب شافی ص ۱۶)

سندیلوی صاحب کو کون سمجھائے کہ آپ نہیں، بلکہ "کفش مار" نے خراب کیا ہے حضرات اکابر نے یزید کے متعلق بھی پوری تحقیق سے اپنا مسلک متعین کیا۔ اور جمہور اہل سنت کا بھی یہی مسلک ہے کہ "یزید فاسق تھا"۔ سندیلوی صاحب تنقیدی جوش سے اتنے مغلوب ہو گئے کہ اکابر خلف و سلف سے گزر کر خلیفہ راشد حضرت علی المرتضٰی تک پہنچ گئے۔ اور اہل السنّت والجماعت کے اس متفق علیہ مسلک کے باوجود کہ: (از روئے حدیث حضرت علی المرتضٰی جنگِ صفین میں بہ نسبت حضرت معاویہؓ کے اقرب الی الحق تھے) انہوں نے یہ نظریہ قائم کر لیا کہ جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ بہ نسبت حضرت علی المرتضٰی کے اقرب الی الحق تھے"۔ (ص ۱۹)

بعض اکابر اہل سنت کی عبارتوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں باغی اور جائر وغیرہ الفاظ آئے ہیں، جن کی بنا پر مولانا نے ان اکابر کو "گستاخی و بے ادبی" کے ساتھ مطعون کیا ہے، مصنف نے ان اکابر کی مراد بھی واضح کر دی ہے۔ لکھتے ہیں:

"مودودی صاحب جنگ صفین میں حضرت معاویہ کو حقیقتاً باطل پر سمجھتے ہیں۔ اور سندیلوی صاحب اور عباسی صاحب حضرت معاویہ کی اجتہادی خطا کے بھی قائل نہیں۔ لیکن اہل حق اس افراط و تفریط کے خلاف اعتدال پر قائم

ہیں۔ اور اکابر اہل سنت میں سے جن بزرگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں باطل یا جور وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو ان کی مراد اس سے صورتاً ہے نہ حقیقتاً، ان کے نزدیک بھی حضرت معاویہؓ مجتہد صحابی ہیں۔ البتہ اس جنگ وقتال میں ان سے اجتہادی غلطی کا صدور ہو گیا ہے، اور اجتہادی خطا کی نسبت کرنے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص وتوہین لازم نہیں آتی"۔ (ص ۲۱)

....

مصنف نے مولانا محمد اسحاق صاحب کی متعدد تضاد بیانیوں کی بھی نشاندہی کی ہے، کہ ایک طرف وہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت، قرآن کریم کی آیت استخلاف وآیت تمکین کے تحت، قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہے، دوسری طرف وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ اقرب الی الحق تھے۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

"حضرت علی کو بعد خلفائے ثلاثہ افضل امت سمجھنا بعد کی بات ہے اگر یہ بھی ثابت ہو جائے تو افضل سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ "احق بالخلافت" بھی سمجھا جائے۔"

"اگر دوبارہ انتخاب ہو جاتا اور آزادانہ رائے دہی کا سب کو موقع ملتا تو باہمی اختلاف بھی ختم ہو جاتا۔ ان کی خلافت زیادہ مستحکم ہو جاتی اور مسلمانوں کی اتنی خونریزی نہ ہوتی پھر

حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ کی تجویز منظور کیوں نہ فرمائی؟
حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو
حضرت علیؓ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر تھے"۔

(اظہار حقیقت ص ۴۲۲)

مصنف ان عبارتوں کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

"یہ حضرت علیؓ کے متعلق سندیلوی صاحب کا تبصرہ ہے
جو حضرت علیؓ کی خلافت کو حسب آیت استخلاف وآیت تمکین
اللہ کے وعدے کے مطابق دی ہوئی خلافت راشدہ بھی
مانتے ہیں۔" (ص ۴۰۰)

نیز حضرت علیؓ کو حکمین کے فیصلہ کے مطابق معزول ہو جانے
کا مشورہ دیتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

"غور فرمایئے کہ بالفرض حکمین نے کتاب وسنت پر نظر
کئے بغیر اپنی رائے سے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ حضرت علیؓ
خلافت سے معزول ہو جائیں تو بھی اس فیصلے کی پابندی کرنا
حسب معاہدہ حضرت علیؓ پر واجب تھا کیونکہ اس فیصلے کے
جواز میں تو کلام کی گنجائش ہی نہیں۔ ہم یہ بھی مان لیں کہ یہ
کسی آیت یا سنت سے ثابت نہیں۔ مگر آیت یا حدیث کے
خلاف بھی تو نہیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت منصوص تو نہ تھی
کہ انہیں معزول کرنا جائز نہ رہا ہو۔"

(اظہار حقیقت ص ۳۸۱ ج ۲، خارجی فتنہ ص ۴۰۴)

حضرت علیؓ کی بارے میں تو مولانا فرماتے ہیں کہ ''حضرت علیؓ کی خلافت منصوص تو نہ تھی''۔ لیکن حضرت صدیق اکبر کی خلافت کو منصوص قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ مصنف نے مولانا کے ایک غیر مطبوعہ مضمون کا حوالہ دیا ہے جس میں مولانا نے ثابت کیا ہے کہ آیت استخلاف کے تحت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کتاب اللہ میں منصوص ہے۔ اس پر مصنف لکھتے ہیں :

> ''اگر آیت استخلاف وآیت تمکین نص ہیں تو چاروں خلفاؒ کے لئے ہیں اور اگر حضرت علیؓ کے لئے یہ نص نہیں تو باقی تین خلفائے راشدین کے لئے بھی نہیں ہیں۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ خود تو آیت استخلاف کو حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے لئے نص قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب میں نے حضرت علی المرتضیٰ کے لئے آیت تمکین کا نص ہونا لکھا تو اس کی تردید کر دی۔ کیا سندیلوی صاحب کے اس طرز عمل سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ ان کے دل میں حضرت علی المرتضیٰ کے بارے میں کچھ ہے ؟ وہ یہ نہیں برداشت کر سکتے کہ اہلسنت والجماعت اس بات سے واقف ہو جائیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت قرآن کی منصوص خلافت موعودہ۔ اور آپ کا انتخاب بھی مثل حضرت صدیق اکبر کے انتخاب کے مرضی الٰہی تھا۔ اور آپ کے منتخب خلیفہ ہونے اور منصوص خلیفہ ہونے میں کوئی تعارض نہیں ہے ۔ اور جو خارجی گروہ

حضرت علیؓ کے انتخاب خلافت کو اب بھی چیلنج کر رہا ہے وہ
گویا نصِ قرآنی کو چیلنج کر رہا ہے' اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا
کہ مولانا سندیلوی نے جو اپنی زیر بحث کتاب اظہار حقیقت
جلد دوم میں حضرت علی المرتضیٰ کے انتخاب کو عارضی،
عبوری اور غیر مستقل ثابت کرنے میں بیسیوں اوراق سیاہ
کئے ہیں یہ سب نص قرآنی کے تقاضا کے خلاف ہیں۔

میرا یہ لکھنا بالکل صحیح ہے کہ مولانا سندیلوی حضرت علی
کی خلافت کو آیت تمکین کا مصداق نہیں قرار دیتے، کیونکہ
اگر وہ اس کا مصداق قرار دیتے تو آیت تمکین کے نص ہونے
کی تردید نہ کرتے۔ اب یا تو اظہار حقیقت کی تردید کریں' یا اس
غیر مطبوعہ مضمون کی۔ واللہ الہادی" (ص ۲۲۹، ۲۳۰)

مولانا کے تضاد کی ایک اور مثال مصنف نے یہ دی ہے کہ مودودی
صاحب کے ایک نظریہ کی تردید کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں :

"آیت تو شوریٰ یعنی مشورے کی تعلیم دے رہی
ہے نہ کہ انتخاب (الیکشن) یا استصواب رائے عامہ کی' آیت
سے انتخاب (الیکشن) پر استدلال عجیب و غریب ہے جو بالکل
نا قابل فہم ہے۔" (اظہار حقیقت ص ۱۳۵ ج ۱)

لیکن حضرت علیؓ کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ کے موقف کی تائید
میں مولانا فرماتے ہیں :

"حضرت معاویہؓ کی رائے یہ تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں حق انتخاب کا معیار بھی بدل گیا۔ اب نصب خلیفہ کے حق کو بدری اصحاب یا مہاجرین وانصار تک محدود نہیں رکھا جاسکتا۔

ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر سورۂ شوریٰ کی یہ آیت تھی: "وامرھم شوریٰ بینھم" (ان کے (صحابہ) کے کام باہمی مشورے سے انجام پاتے ہیں) یہ آیت عام اور سب صحابہ کو شامل ہے۔ اس لئے امر خلافت، جو بہت اہم ہے۔ سب کے مشورے سے انجام پانا چاہئے۔ اور مہاجرین دوسرے صحابہ کو بھی شریک مشورہ کرنا چاہئے اس سے صحابہ کے لئے حق رائے دہی ثابت ہوتا ہے۔"

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۱۵)

مولانا کی دونوں عبارتیں نقل کرنے کے بعد مصنف لکھتے ہیں:

"غور فرمایئے! مودودی صاحب کے جواب میں تو محقق سندیلوی فرمارہے ہیں کہ "آیت تو شوریٰ یعنی مشورے کی تعلیم دے رہی ہے نہ کہ انتخاب (الیکشن) یا استصواب رائے عامہ کی۔ آیت سے انتخاب پر استدلال عجیب وغریب استدلال ہے۔ جو بالکل ناقابل فہم ہے"۔

لیکن جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی

بات آگئی تو سندیلوی صاحب اسی آیت شوریٰ کو حضرت
معاویہؓ کی وکالت میں استصواب رائے عامہ کے لئے
بطور دلیل (نقل) فرمارہے ہیں۔ گویاکہ جواستدلال پہلے
ناقابل فہم تھااب قابل فہم اور لازمی ہو گیا:

"جو چاہے آپ کی عقل کرشمہ ساز کرے"۔ (ص ۲۲۳)

اس طرح کتاب میں موقع بہ موقع مولانا کی تضاد بیانیوں کی بیسیوں مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے جناب مصنف کے مباحث کا خلاصہ اوران کی تنقیدات کا نمونہ قارئین کے سامنے ہے۔بنیادی طور پر دو مسئلے مصنف کا اصل ہدف ہیں۔

اول:.... یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے۔ ان کی خلافت قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہے۔ اوراس کاانکاریااس کی تنقیص خلافت راشدہ کاانکاریااسکی تنقیص ہے۔

دوم:.... یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں جومشاجرات ومحاربات رونماہوئے ان میں حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ حق بجانب تھے،جو حضرات ان کے خلاف صف آراہوئے وہ خطأپر تھے۔ مگر یہ سب حضرات نیک نیت تھے۔ انہوں نے جو کچھ کیااپنے اپنے اجتہاد کے مطابق رضائے الٰہی کے لئے کیا۔اس لئے وہ اپنی اس اجتہادی خطأ پر بھی عنداللہ اجروثواب کے مستحق ہیں،ان پر طعن

و تشنیع روا نہیں۔

بلا شبہ ان دونوں مسئلوں میں جناب مصنف نے اہل حق کے مسلک کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کی ہے۔ اہل حق پر جس طرح روافض کی تردید لازم ہے اسی طرح خوارج ونواصب کی تردید بھی ان پر لازم ہے۔ اور جس طرح خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے دفاع کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے مدافعت کرنا بھی اہل حق کا فریضہ ہے جناب مصنف کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اہل حق کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیا ہے۔

جو لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ناروا حملے کرتے ہیں اور آپ کی توہین و تنقیص کے درپے رہتے ہیں وہ در حقیقت ان خوارج کے جانشین ہین جن کے بارے میں لسانِ نبوت سے "یمرقون من الدین مروق السھم من الرمیة" کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ اور جن کے بارے میں فرمایا گیا کہ "لان ادرکتھم لاقتلنھمّ قتل عاد" یہ خارجیت دراصل رافضیت وسبائیت ہی کی ایک شاخ ہے۔ جس کا مقصد اکابر اُمت کے خلاف زہر اگلنا ہے۔ مگر ہمارے دور میں یہ ٹولہ تردید سبائیت کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آتا ہے اس لئے بہت سے نوجوان طلبہ بھی ان سے متأثر ہو جاتے ہیں' اور ان کی ہفوات کو صحیح سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں، اس لئے شدید ضرورت تھی کہ ان مسائل میں اہل حق کے عقیدہ کی وضاحت کر دی جاتی۔ جناب مصنف بالکل صحیح فرماتے ہیں کہ:

"عباسیّت ویزیدیّت کے اثرات دیوبندی حلقوں

میں سرایت کر رہے ہیں۔ بہت کم علماً رہ گئے ہیں جن
کا مقصد تحفظِ مسلک ہے۔ دینی مدارس میں بھی عقیدہ
خلافت راشدہ زیر بحث نہیں آتا۔ اکابر محققین کی تحقیق
پر اعتماد نہیں رہا۔ اور ہمارے مدارس کے بعض طلبہ اہل زیغ
والحاد کے لٹریچر سے متاثر ہو جاتے ہیں۔" (ص ۲۸)

جناب مصنف مد فیضہم کے مقصد سے اتفاق اور زیر بحث مسائل میں ان کے موقف کی مکمل تائید کے باوجود ہمیں ان کے اندازِ بیان سے اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک اس فتنہ کی اصلاح وتدارک کی صحیح صورت یہ تھی کی خوارج ونواصب نے جو شبہات پھیلار کھے ہیں اور جن کا وہ ہر تقریر وتحریر میں آموختہ دھراتے رہتے ہیں، کسی خاص فرد کو نشانہ بنائے بغیر ان کا جواب دیا جاتا۔ اور ان مسائل میں مثبت انداز میں اہل حق کا مسلک پیش کر دیا جاتا۔ اس صورت میں کتاب زیادہ ضخیم بھی نہ ہوتی اور مناظرانہ ردّ وکدّ اور غیر ضروری مباحث سے بھی کتاب پاک ہوتی۔ اس کے بعد اگر کوئی اپنے لئے "زادِ سقر" تیار کرنا چاہتا تو ہماری بلا سے۔ "ليهلك من هلك عن بيّنة ويحيىٰ من حيّ عن بينة"۔

اور اگر جناب مصنف کی نظر میں مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی کی کچھ تحریریں یا ان کے افکار ونظریات مسلک اہل حق کے خلاف ہیں اور ان کی اصلاح ضروری ہے تو اس کی بہترین صورت یہ تھی کہ مولانا کو ذاتی طور پر ان کی طرف توجہ دلائی جاتی۔ اور ان سے التماس کی جاتی کہ وہ ان کی اصلاح فرمائیں، مولانا محمد اسحاق صاحب حضرتِ تھانوی قدس سرہ کے سلسلہ کے شیخ طریقت

ہیں۔اور حضرت تھانویؒ کا اسوۂ حسنہ ان کے سامنے ہے کہ حضرتؒ نے اپنی غلطیوں کی اصلاح کے لئے "ترجیح الراجح" کے عنوان سے ایک مستقل سلسلہ شروع کرر کھا تھا، اور اہل علم میں سے کوئی شخص حضرتؒ کی کسی فرد گزاشت یا تسامح پر مطلع کرتا تو اپنی غلطی سمجھ آجانے کے بعد حضرتؒ اس سے رجوع کا اعلان فرمادیتے تھے۔ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ رشید حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی قدس سرہٗ کے بارے میں میں نے حضرت اقدس بنوری قدس سرہٗ سے سنا ہے کہ حضرت سیّد صاحبؒ آخری زمانے میں فرماتے تھے (جس کا مفہوم یہ تھا کہ) میرے پہلے زمانے کی تصانیف میں کچھ تسامحات اور غلطیاں رہ گئی ہیں۔ افسوس کہ میں نظر ثانی نہیں کر سکتا، کاش کہ آپ (حضرت بنوریؒ) جیسے دوچار محقق علمأ میری کتابیں پڑھ کر میری غلطیوں کی نشاندھی کردیتے تو میں ان سے رجوع کا اعلان کردیتا۔اور ان کی اصلاح کرلیتا۔ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کے تدین و تقویٰ کے پیش نظر ان سے یہی توقع تھی کہ اگر حق پرست اہل علم ان کو ان کے تسامحات اور فرو گزاشتوں کی طرف توجہ دلاتے تو وہ اپنے شیخ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اسوۂ حسنہ کو پھر سے تازہ کرتے، اور اپنی ان عبارتوں کی مناسب اصلاح فرمادیتے۔

اہل علم کا دوسرے اہل علم پر ردّ کرنا یا ان کے نظریات پر تعقب کرنا کوئی نئی بات نہیں۔امام مالکؒ کے بقول "کل منارادو مردود علیه الاصاحب هذاالقبر صلی الله علیه وسلم"۔ ہم حضرات صوفیأ کے شطحیات اور اہل علم کے تفردات و سطحیات کو لائق اقتدا نہیں سمجھتے۔ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب

زید مجدھم کے بعض تفردات سے ہمیں بھی اختلاف ہے، اور ان کی جن عبارتوں کی حضرت قاضی صاحب نے نشاندہی کی ہے انہیں لائق اصلاح سمجھتے ہیں، لیکن ان کے علم وفضل، زہد و تقویٰ اور شرف و عظمت کے بارے میں ہمارے دل میں کبھی وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا۔

حضرت قاضی صاحب تو ان کی برابر کی سطح کے بزرگ ہیں، وہ ان پر تنقید کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ مگر راقم الحروف جیسے لوگ ان کی خاک پا کو بھی نہیں پہنچتے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہم جن اکابر کے حوالے سے بات کہتے ہیں خود مولانا کو بھی اعتراف ہوگا کہ وہ اپنے علم وفضل کی بلندیوں کے باوصف ان اکابر کی گردپا کے برابر بھی نہیں۔ ان اکابر کے مسلک سے ہٹ کر خودروی وخودرائی اختیار کرنے سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور مدّت العمر اپنے اکابر اور جمہور اہل سنت کے نقش قدم پر جینے اور اسی پر مرنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔۔ کسی نئے نظریہ کی اختراع یا شاذ اقوال کی اتباع کبھی امت کے حق میں خیر وبرکت کی موجب نہیں ہوئی۔ ان چیزوں سے ہر مومن کو اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

حضرت قاضی صاحب نے مولانا پر جو تنقیدات کی ہیں اگرچہ ان کا لب ولہجہ بہت ہی تیز و تند ہے، لیکن مولانا کی عظمت وبلندی اور ان کی بے نفسی وللہیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس "داروئے تلخ" کو نسخۂ شفا" سمجھتے ہوئے نوش کریں گے:

"شفا بایدت داروئے تلخ نوش کن"۔

اظہار حقیقت میں مولانا محترم نے کیسی عمدہ بات فرمائی ہے:

"الحمد للہ کہ ان سطور کا راقم زمرۂ اہل سنت والجماعت میں داخل ہے۔ اسی پر جینا اور اسی پر مرنا اس کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ اور اسی پر استقامت کو اپنے لئے وسیلہ نجات سمجھتا ہے۔ اس لیے اس کا پختہ عقیدہ ہے کہ سیّدنا علی مرتضیٰ کی خلافت صحیح خلافت تھی۔ اور بے شک وہ خلیفہ برحق ہیں۔ یہ بھی میرا عقیدہ ہے کہ مربّی اعظم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض تربیت نے ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے قلب کو حُبّ دنیا کے ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ سے بھی پاک کر دیا تھا۔ چہ جائیکہ حضرت علی مرتضیٰ جن کا شمار اکابر صحابہ میں ہے اور وہ اس گروہ کی افضل ترین جماعت میں شامل ہیں"۔

(جلد دوم ص ۱۸)

ظاہر ہے کہ جب حضرت محترم مسلک اہل حق پر جینے اور مرنے کا عہد کرتے ہیں تو اگر ان کی کوئی عبارت ان کے "عہد" کے خلاف ہو تو اس کی اصلاح ناگزیر ہوگی۔ نیز جس طرح ان کا قلم روافض (خذلہم اللہ) کے خلاف شمشیر براں ہے اسی طرح نواصب وخوارج (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا یا تو انکار کرتے ہیں، یا اس کی توہین وتنقیص اور بے وقعتی کرتے ہیں) کے خلاف بھی اسی شدّت وقوّت سے چلنا چاہیئے۔ اہل سنت کو جس طرح روافض سے نفرت ہے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تنقیص کرنے والے "مارقین" سے بھی نفرت ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت قاضی صاحب کے پیش کردہ اہل حق کے موقف ومسلک سے ہمیں نہ صرف اتفاق ہے بلکہ یہی ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے۔ لیکن موصوف نے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کے خلاف جس درشتی و تندی کا اظہار کیا ہے ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ اب اگر مولانا محترم اس شدت سے قطع نظر کر کے اصلاح طلب امور کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائیں تو یہ ان کی للہیت و بے نفسی کا کمال ہوگا، اور اگر وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہیں تو قلم ان کے ہاتھ میں بھی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سبائیت وخارجیت کے طفیل میں اہل سنت کے دو بڑے بزرگوں کے درمیان ایک اور "جنگ صفین" برپا ہوگی، دشمنان صحابہؓ (خواہ وہ رافضی ہوں یا خارجی وناصبی) خوش ہوں گے اور ان بزرگوں کے نیاز مند غنی کا یہ شعر پڑھ کر ماتم کریں گے:

غنی روز سیاہ ماہِ کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ‌اش روشن کند چشم زلیخا را

"خارجی فتنہ" میں مصنف نے مولانا لعل شاہ بخاری خطیب مدنی مسجد لائق علی چوک واہ کینٹ کی ضخیم کتاب "حضرت معاویہ واستخلاف یزید بجواب تحقیق مزید علی خلافۃ معاویہ ویزید" پر بھی تنقید کی ہے۔

راقم الحروف کو شاہ صاحب کی اس کتاب کے مطالعہ کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ "خارجی فتنہ" کے مطالعہ سے اس کا تعارف ہوا ہے۔

حضرت قاضی صاحب لکھتے ہیں:

"استخلاف یزید سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری صاحب موصوف کا مطالعہ وسیع ہے' متعدد کتابوں کے انبار لگا دیئے ہیں' لیکن وہ بھی راہ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں' کتاب کے مطالعہ کے بعد ناواقف قاری کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ حُسن ظن نہیں رہتا جو حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی کے ساتھ ہونا چاہئیے۔ مثلاً حسب ذیل عبارتیں ملاحظہ ہوں :

(۱) "جمہو اہل سنت کا دوسرا قول" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ حق پر تھے۔ اور حضرت معاویہؓ باطل پر تھے۔ یعنی خطا انکی عنادی تھی اور دور خلافت میں وہ ملک جائر تھے۔" (خارجی فتنہ ص ۱۸۰)

"......شاہ صاحب نے گو آخر میں اہل سنّت کے دونوں قولوں کے مابین تطبیق دے کر یہ وضاحت کر دی کہ : انہوں نے باطل کا قصد نہیں کیا۔ بلکہ حق کا قصد کر کے اجتہاد کیا مگر حق کو نہ پا سکے الخ۔"

لیکن اس کے باوجود یہ بھی لکھ دیا کہ :

"حضرت معاویہؓ کے متعلق جمہور اہل سنت کی مذکورۃ الصدر آرا دور خلافت علیؓ میں ان کے خروج وقتال کے سلسلہ میں تھیں۔ لیکن جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان سے

مصالحت کر کے خلافت سے دستبردار ہو گئے اور ساری جماعت ان پر متفق ہو گئی تو ان کی بغاوت ختم ہو گئی اور بالاتفاق ان کی عدالت بر قرار ہو گئی۔ ازاں بعد ان کی طرف فسق و فجور اور ظلم و تعدی کی نسبت کرنا ظلم و تعدی ہے۔"

(ص ۱۹۱)

یہ بھی عجیب بات ہے، جب حضرت معاویہؓ کے اختلاف کو (خواہ وہ جنگ و قتال کی صورت میں ہوا) اجتہادی قرار دیدیا تو پھر یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ صلح کے بعد ان کی عدالت بر قرار ہو گئی الخ حضرت معاویہؓ پہلے بھی عادل تھے کیونکہ مجتہد تھے۔ اور مجتہد کو غیر عادل نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔"

(ص ۴۲۶)

(۲) یزید کی ولیعہدی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"جلیل القدر صحابہ پہلے ہی سیاست سے دست کش ہو چکے تھے۔ کچھ صحابہ اثارۂ فتنہ اور تفریق امت کے اندیشہ سے خاموش ہو گئے۔ بعض کی آواز سفک دماء اور خونریزی کے خوف سے حلقوم میں اٹک کر رہ گئی۔ کچھ رؤسا مناصب کی وجہ سے مجبور تھے۔ اور بعض کی دہن دوزی لقمہ ہائے چرب سے کردی گئی۔ اور بعض کو حرص و آز نے ایسا اندھا کر دیا تھا کہ ملک کے طول و عرض میں رواں دواں اور استحکام ولایت یزید کے

لئے کوشاں تھے۔ مناصب وعہود کی خاطر وفود کے وفود دمشق بھیجے جاتے ہیں ان کی سعی نامشکور بالآخر بارآور ہوتی ہے۔ اور یزید معاویہؓ، جس کے ہاتھوں امت کی تباہی مقدر ہو چکی تھی۔ پوری اُمت پر مسلط کر دیا جاتا ہے الخ (استخلاف یزید ص ۳۱۶)

اس پر مصنف لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام کے متعلق اتنی بات صحیح ہے کہ اثارۂ فتنہ اور تفریق امت کے اندیشہ سے یزید کی خلافت قبول کر لی۔ لیکن اس کے بعد جو شاہ صاحب موصوف نے تبصرہ کیا ہے اگر اس سے مراد صحابہ کرام ہی کے افراد ہیں تو یہ اہل سنت کا عقیدہ نہیں شیعیت کی راہ یہیں سے کھلتی ہے............"

(خارجی فتنہ ص ۴۳۹)

(۳) عدالت صحابہؓ کی بحث میں لکھتے ہیں:

"اگر بالفرض سارے صحابہ عادل نہ بھی ہوتے جب بھی دین کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ اگر سارے تابعی عادل نہیں ہیں تو دین کی عمارت میں کوئی شگاف پیدا نہیں ہوا تو سارے صحابہ کے عادل نہ ہونے سے کیوں دین کی عمارت پیوند خاک ہو جاتی۔ جب کہ دین کی مدار روایات پر ہے، اور تسلیم کر لیا گیا ہے کہ روایتِ حدیث کے بارے میں سبھی صحابہؓ عادل ہیں۔"

(استخلاف یزید ص ۴۵ خارجی فتنہ ص ۴۳۰)

قاضی صاحب نے کافی تفصیل سے اس نظریہ کی تغلیط کی ہے، جو اصل کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ بہر حال شاہ صاحب کی کتاب کا اندازہ کرنے لئے یہی تین اقتباسات کافی ہیں۔

ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذهديتنا وهب لنا
من لدنك رحمة ـ انك انت الوهاب.

(ماہنامہ بینات ربیع الاول ۱۴۰۴ھ کراچی)